باپ کے خط بیٹی کے نام

جن میں

زمین اور دنیا کے بننے، جانوروں اور آدمیوں کے پیدا ہونے،
بسنے اور بڑھنے کا حال بچّوں کو بتلایا گیا ہے

از

جواہر لال نہرو

سنہ ۱۹۳۵ء

کتابستان۔ الٰہ آباد

باہتمام حکیم رمضانعلی

مطبع اسرار کریمی الٰہ آباد

یہ خط **اندرا** کے نام لکھے گئے تھے۔
ان خطوں کے مجموعے کو بھی میں اُن
ہی نام سے معنون کرتا ہوں۔

اس کتاب میں کیا کیا کہاں کہاں لکھا ہے

	صفحہ
تقریب از ناشرین	الف
تمہید از مصنف	ج
دوسری ایڈیشن کا دیباچہ	ط
۱۔ دنیا خود ایک کتاب ہے	۱
۲۔ پچھلے زمانے کی تاریخ کیسے لکھی گئی؟	۷
۳۔ زمین کیسے بنی؟	۱۴
۴۔ سب سے پہلی جان دار چیزیں	۲۰
۵۔ جانوروں کی پیدائش	۲۹
۶۔ انسان کی پیدائش	۳۶
۷۔ شروع زمانے کے انسان	۴۴
۸۔ مختلف نسلیں کیسے بنیں؟	۵۴
۹۔ انسان کی نسلیں اور زبانیں	۶۱
۱۰۔ زبانوں کا آپس میں تعلق	۶۸
۱۱۔ تہذیب کیا چیز ہے؟	۷۴

۱۲- برادریوں کا بننا ۔ ۷۹
۱۳- مذہب کیسے بنے اور کام کی تقسیم کیسے ہوئی؟ ۸۵
۱۴- کھیتی باڑی سے اور کیا کیا باتیں نکلیں؟ ۹۱
۱۵- قبیلے کا شیخ کیسے بنا؟ ۹۶
۱۶- شیخ نے کس طرح ترقی کی؟ ۱۰۱
۱۷- شیخ بادشاہ بن بیٹھا ۔ ۱۰۶
۱۸- پرانے زمانے کا تمدن ۔ ۱۱۲
۱۹- پرانی دنیا کے بڑے بڑے شہر ۔ ۱۱۸
۲۰- مصر اور کریٹ ۔ ۱۲۳
۲۱- چین اور ہندوستان ۔ ۱۳۰
۲۲- سمندر کا سفر اور تجارت ۔ ۱۳۵
۲۳- بولی، لکھائی اور گنتی ۔ ۱۴۳
۲۴- مختلف درجوں کے آدمی ۔ ۱۴۸
۲۵- بادشاہ مندر اور پجاری ۔ ۱۵۳
۲۶- پچھلی باتوں پر ایک نظر ۔ ۱۵۹
۲۷- پتھر ہو جانے والی مچھلیوں کی تصویریں ۔ ۱۶۳
۲۸- پتھر بنی ہوئی چیزیں اور کھنڈر ۔ ۱۶۶
۲۹- آریوں کا ہندوستان میں آنا ۔ ۱۷۰
۳۰- ہندوستان کے آریا کیسے تھے؟ ۱۷۵
۳۱- رامائن اور مہابھارت ۔ ۱۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب از ناشرین

اس سے قبل یہ خطوط انگریزی اور ہندی میں شایع ہو چکے ہیں ۔ ہمیں مسرت ہے کہ ہم فاضل مصنف کے ایماء و اجازت سے ان کا اردو ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جس طرح انگریزی اور ہندی پڑھنے والے بچّوں نے ان خطوط کو پسند کیا ہے، اُسی طرح اُردو پڑھنے والے بچّے بھی ان کو شوق سے پڑھیں گے اور فائدہ اٹھائیں گے ۔

ترجمے میں، شروع سے آخر تک، اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مناسب عمر کے بچّے اس کتاب کو بغیر اوستاد کی مدد کے پڑھ اور سمجھ سکیں ۔ اُمید ہے کہ ہماری یہ توقع صحیح ثابت ہو گی ۔

خطوں کا یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ جاری رہے گا ۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ پنڈت جی نے ان خطوں کے بعد ایک اور طویل سلسلہ چھیڑا

ہے، جس میں انھوں نے اپنی خدا داد اور معروف قابلیت کے ساتھ تمام دنیا کی تاریخ پر، شروع سے لے کر اب تک، نظر ڈالی ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ یہ کُل سلسلہ ہمارے یہاں سے شائع ہوگا۔ خدا کرے ہماری یہ خواہش پوری ہو کہ یہ سلسلہ بہت جلد ہمارے بچوں اور بڑوں کے ہاتھ میں پُہنچ جاءے ؂

یکم جنوری ۱۹۳۴ع

تمہید از مصنف

تین برس ہوئے، ۱۹۲۸ء کی گرمی کے موسم میں، میری بیٹی اندرا، کوہ ہمالیہ کی بلندی پر مسوری میں تھی، اور میں الہ آباد کے میدان کی پستی میں۔ اُسی وقت یہ خطوط میں نے اُسے لکھے تھے۔ یہ بچّ کے خطوط تھے کہ ایک دس برس کی چھوٹی سی لڑکی کے نام لکھے گئے تھے۔ لیکن اُن دوستوں نے، جن کی راءوں کی میں قدر کرتا ہوں، ان خطوط میں کوئی ایسی خوبی دیکھی کہ مجھے یہ مشورہ دیا کہ ان کو اور بھی زیادہ لوگوں کو دیکھنے کا موقع دوں۔ میں نہیں جانتا کہ ان خطوں کو اور لڑکے اور لڑکیاں بھی پسند کریں گی، یا نہیں۔ مگر مجھے یہ اُمید ہے کہ جو کوئی ان کو پڑھے گا وہ آہستہ آہستہ یہ ضرور سوچنا شروع کرے گا کہ ہماری یہ دنیا ایک ہی خاندان، مگر بہت سی قوموں کا مجموعہ ہے۔ مجھے یہ بھی امید ہے۔گو کسی قدر اندیشے کے ساتھ ہو۔ کہ وہ ان کو پڑھ کر کچھ نہ کچھ ضرور خوش ہوں گے؛ بالکل اُسی طرح جیسے ان کو لکھتے وقت میں خوش ہوتا تھا۔

ان خطوں کا سلسلہ یکایک ختم ہو جاتا ہے۔ گرمی کے لمبے دن ختم ہو گئے اور اندرا کو پہاڑ پر سے اُتر آنا پڑا۔ اگلے سال، ۱۹۲۹ء میں، نہ اُسے مسوری ملی، نہ

کوہی اور پہاڑ ۔ آخری تین خطوط میں ایک نئے ہی زمانے کی بحث چھڑی ہے ۔ یہ تینوں خط، بہ جاے خود، غیر موزوں سے ہیں ۔ مگر میں نے اُن کو اس لیے اس کتاب میں شامل کر دیا ہے کہ شاید مجھے ان پر کچھ اضافہ کرنے کا موقع مل جاے ۔

مجھے اس کا احساس ہے کہ چونکہ یہ خطوط انگریزی زبان میں ہیں، ان کے ناظرین کا حلقہ محدود ہوگا ۔ اب میں اس کا صرف یہ علاج کر سکتا ہوں کہ ان کا ترجمہ کرا دوں ۔ چنانچہ ہندی ترجمہ تیار ہو رہا ہے، اور بہ شرط خیریت جلد دنیا کے سامنے آ جاے گا*۔

الہ آباد
نومبر ۱۹۲۹ء

---

* ہندی ترجمہ بہت دن ہوے کہ شایع ہو چکا۔ یہ اُردو ترجمہ اب شایع کیا جا رہا ہے ۔ (کتابستان)

دوسری ایڈیشن کا دیباچہ از مصنف

ان خطوں کو اصل مکتوب الیہ کے علاوہ، بہت زیادہ لوگوں کے سامنے پیش کرنے میں میں بہت دنوں تک پس و پیش کرتا رہا۔ مگر جب اخباروں اور ریویو نگاروں نے قدر افزائی، اور اُن سے بھی زیادہ عوام نے اُن کی قدر کی، تو میری ہمت بندھی، اور جو شک اور خوف مجھے اُن کی طرف سے تھا وہ جاتا رہا، تو میں نے ان کو کتابی صورت میں شایع کر دیا۔ پہلی ایڈیشن مدت ہوئی کہ ختم ہو چکی حتیٰ کہ "کاتب خطوط" کے پاس بھی ایک نسخہ تک باقی نہیں رہ گیا؛ اس لیے یہ دوسری ایڈیشن نکالی جا رہی ہے۔ ان میں چند خفیف غلطیوں کی تصحیح کے علاوہ اور کوئی تغیّر و تبدّل نہیں کیا گیا۔

اس کتاب کو جو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اس سے مجھے اتنی اور ہمت ہوئی کہ میں نے ان خطوں پر کچھ اور اضافہ کیا ہے۔ لیکن میں ایک اور ہی دھن آقا کا پابند تھا؛ اُس کی خدمت گزاری میں نہ مجھے اتنا وقت ملا نہ میرے دل نے اتنی یاری دی، کہ میں کسی اور کام میں اپنے آپ کو لگا دوں۔ سال گزشتہ، جب میں نینی کے جیل خانے گیا تو مجھے اس کتاب کا خیال آیا۔ وہاں وقت

کی تو کچھ کمی تھی ہی نہیں۔ لیکن نہ جیل خانوں سے بہت سے خط لکھے جا سکتے ہیں، نہ وہاں ضرورت کی کتابیں بہم پہنچ سکتی ہیں۔ ان دقتوں کے علاوہ، میرے دل میں یہ اُمنگ تھی کہ میں، بہ ذات خود، اُس تاریخ کا بانی بنوں، جو آج کل ہندوستان میں بن رہی ہے؛ اس لیے اتنی گنجایش کہاں تھی کہ گزرے اور مرے ہوئے زمانے پر زیادہ توجہ کروں۔ جب میں جیل خانے سے نکلا تو ایک ہفتے کے مختصر عرصے کے بعد پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس پر پھر کئی مہینے گزر گئے۔ اس سال کی یکم جنوری کو میں نے ان خطوط کے جاری رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ نئے سال کے نئے دن کا نیا عہد تھا، اور میں اس کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان میں کچھ اور اضافہ کیا؛ مگر یکایک ۲۶ جنوری کو میں قید سے رہا کر دیا گیا۔ آزادی کی حالت میں، خانگی تکالیف اور ملکی کاموں کی آندھی نے آگھیرا، اور اُس کے جھونکے کہیں سے کہیں ہٹکتے رہے۔ میں جیل خانے کی کال کوٹھری کی امن و سکون کا پھر منتظر بیٹھا ہوں، تاکہ یہ کام جاری رکھ سکوں۔

اس عرصے میں انڈیرا بھی بڑھتی رہی؛ اب مجھے اُمید نہیں پڑتی کہ میں اُس کے روز افزوں علم کا ساتھ دے سکوں۔

جواہر لال نہرو

الٰہ آباد اکتوبر ۱۹۳۱ء

"ہم بس اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا تو نے ہم کو
بتلا دیا۔ بے شک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

(۱)

دنیا خود ایک کتاب ہے

جب تم میرے پاس ہوتی ہو تو تم مجھ سے بہت سی باتیں پوچھا کرتی ہو، اور میں تمھیں اُن کا جواب دینے کی کوشش کیا کرتا ہوں۔ اب تم مسوری میں ہو، اور میں الٰہ آباد میں، تو اُس طرح بات چیت نہیں ہو سکتی، جیسے پاس بیٹھے ہوتی تھی۔ اب یہ ارادہ ہے کہ میں تمھیں کبھی کبھی، تھوڑے سے لفظوں میں، اس دنیا کی، جس میں ہم رہتے ہیں، اور اُن بہت سے چھوٹے بڑے ملکوں کی، جن سے مل کر یہ اتنی بڑی دنیا بنی ہے، کچھ باتیں لکھتا رہا کروں گا۔ تم نے ہندوستان اور انگلستان کی تھوڑی بہت تاریخ پڑھی ہے۔ انگلستان تو ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ ہندوستان بڑا ملک سہی، لیکن ساری دنیا کے سامنے تو بہت ہی چھوٹا ہے۔ اگر ہم اپنی دنیا کا کچھ حال معلوم کرنا چاہیں تو ہم کو

صرف اس ایک چھوٹے سے ملک ہی کا خیال نہیں کرنا چاہیئے، جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں، بلکہ اُن سارے ملکوں اور سارے آدمیوں کی طرف بھی دھیان کرنا چاہیئے جو اس دنیا میں رہتے ہیں۔

ڈر یہ ہے کہ میں خطوں میں تمھیں بہت ہی کم باتیں بتلا سکتا ہوں۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ جو کم باتیں بھی تمھیں بتلاؤں گا وہ بھی تم کو عجیب سی معلوم ہوں گی، اور ان سے تمام دنیا اور اُن دوسرے لوگوں کا دھیان آئے گا، جو ہمارے ہی جیسے ملک کے اور ہمارے ہی بھائی بہن ہیں، اور اس دنیا کے اور ملکوں کا دھیان آئے گا، جو ہمارے ہی جیسے کسی ملک میں رہتے ہیں، اور ہمارے ہی بہن بھائی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اسی دنیا کے کسی اور ملک میں رہتے ہیں۔ جب تم بڑی ہوگی تو تم اس زمین، اور اس کے رہنے والوں کا حال موٹی موٹی کتابوں میں پڑھوگی، تو تمھیں وہ حال اُن کہانیوں سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوں گے، جو تم نے سُنی یا پڑھی ہوں گی۔

یہ تو تم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری یہ زمین پُرانی ہے، بہت ہی پُرانی، لاکھوں برس پُرانی۔ بہت دنوں۔ شاید ہزاروں برس۔ یہ خالی

پڑی رہی تھی ؛ نہ اس میں کوئی مرد رہتا تھا، نہ عورت ۔ آدمیوں سے پہلے اس میں صرف جانور بستے تھے ۔ جانوروں سے بھی پہلے اس زمین پر ایسی حالت گذری تھی کہ اس کے پردے پر کوئی جان دار بھی نہیں رہتا تھا۔ یہ بات مشکل سے خیال میں آئے گی کہ وہ دنیا، جو اس وقت ہر قسم کے جانوروں اور ہر طرح کے آدمیوں سے بھری پڑی ہے، کسی وقت بالکل خالی پڑی رہی ہوگی ۔ لیکن بڑے بڑے عالم، اور وہ لوگ جنھوں نے اس دنیا کی حالت پر غور کیا اور سوچا ہے، ہمیں بتلاتے ہیں کہ اس زمین پر ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ جب یہ اتنی گرم تھی کہ کوئی جان دار اس میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا ۔ اگر ہم ان عالموں کی کتابیں پڑھیں اور پہاڑیوں اور اُن پُرانے جانوروں کی ہڈیوں کو غور سے دیکھیں، جو پتھر بن کر رہ گئی ہیں، تو تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ضرور ایسا ہی ہوگا ؎

تم نے جو تاریخیں پڑھی ہیں وہ جنی بنائی کتابوں میں پڑھی ہیں ۔ لیکن پُرانے زمانے میں جب آدمی ہی نہ تھا، تو کتابیں کیسے لکھی جا سکتی تھیں ۔ پھر ہمیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اُن دنوں کیا ہوا تھا؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم چُپ چاپ بیٹھ کر سب باتوں کو معلوم کرلیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت ہی عجیب بات ہوتی کہ چُپ چاپ بیٹھے، جو چاہا سوچ لیا

اور بڑی مزے دار پریوں کی سی کہانیاں لکھ ڈالیں! لیکن ذرا سوچو تو سہی کہ جو کہانیاں تم اس طرح بناؤگی وہ سچی بھی ہوں گی؟ اُن کی کوئی جڑ بنیاد تو ہوگی ہی نہیں، پھر سچی کیسے ہوسکتی ہیں۔ ہم نے مان لیا کہ اتنے بڑے پُرانے زمانے میں کتابیں نہیں لکھی جاتی تھیں، لیکن قسمت اچھی ہے کہ ہمارے سامنے ایسی چیزیں موجود ہیں، جو ہم کو بہت سے باتیں اس طرح بتلاتی ہیں جیسے کتابیں۔ کتابیں نہ سہی، ہمارے سامنے پہاڑ ہیں، پہاڑ کی چٹانیں ہیں، سمندر ہیں، تارے ہیں، دریا ہیں، جنگل بیابان ہیں اور پُرانے زمانے کے جانوروں کی پتھر بنی ہوئی ہڈیاں ہیں۔ یہ اور اسی طرح کی اور چیزیں، ہماری وہ وہ کتابیں ہیں جن میں ہم زمین کا قصّہ پڑھتے ہیں۔ اس قصے کو سمجھنے کی صرف یہی ترکیب نہیں ہے کہ اُس کو کسی دوسرے کی لکھی ہوئی کتابوں میں پڑھیں، بلکہ اصل ترکیب یہ ہے کہ ہم دنیا کی اس کتاب کو پڑھیں، جو ہمارے سامنے کُھلی رکھی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم بہت جلد یہ قصّہ چٹانوں اور پہاڑوں کی کتاب سے پڑھنا سیکھ جاؤگی۔ ذرا خیال تو کرو کہ یہ تمھیں کیسا عجیب معلوم ہوگا! پتھر کی چھوٹی سے چھوٹی کنکریاں، جو تمھارے راستے میں، یا پہاڑ کے پاس

پڑی ہیں، وہ قدرت کی کتاب کے ورق ہیں۔ اگر تم اُس کو پڑھنا جانا چاہو تو وہ تم کو اس قصے کا کوئی حصہ بتلا سکیں گے۔ تم کوئی زبان، اُردو یا ہندی، یا انگریزی پڑھنا چاہو تو پہلے تم کو اُس کی الف، بے، تے پڑھنی پڑے گی۔ اس دنیا کی کتاب کی بھی پہلے الف، بے، تے پڑھو تو تم پہاڑوں اور چٹانوں پر لکھے ہوئے زمین کے قصے کو پڑھ سکوگی۔ شاید اس وقت بھی تم تھوڑا بہت اس کو پڑھنا جانتی ہو۔ جب تم ایک چھوٹی سی گول اور چمک دار پتھری دیکھتی ہو، تو کیا وہ اپنا قصہ نہیں سُناتی؟ یہ پتھری ایسی گول، بغیر کناروں کی، چکنی اور چمک دار کیسے ہوگئی؟ اگر تم ایک بڑے سے پتھر کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرو، تو ہر ٹکڑا کھُردرا سا ہوگا، اُس کے کھُردرے سے کنارے نکلے ہوں گے، اُس کی عجیب سی شکل ہوگی؛ غرض وہ ایسا گول اور چکنا سا تو نہ ہوگا، جیسے تم اپنے سامنے پڑا دیکھ رہی ہو۔ یہ بتلاؤ کہ یہ پتھری، جو تمھارے سامنے ہے، گول، چکنی اور چمک دار کیسے ہوگئی؟ اگر تمھاری اچھی سی آنکھیں اور اچھے سے کان ہوں تو وہ پتھری اپنا قصہ تمھیں خود سُنائے گی۔ ذرا غور سے کان لگاکر سنو۔ وہ کہہ رہی ہے کہ "ایک زمانہ گزرا کہ میں چھوٹی سی چٹان یا بڑا سا پتھر تھی۔ میرے بہت

سے کنارے اور کونے تھے۔ میں کسی پہاڑ کے ایک کنارے پر پڑی تھی۔ ایک دفعہ مینہ برسا اور اُس نے مجھے پہاڑ کے کنارے سے دھکیل کر ایک پہاڑی نالے میں گرادیا۔ وہ نالہ مجھے ایک چھوٹے سے دریا میں بہا لے گیا، اور اُس نے مجھے ایک بڑے دریا میں پہنچا دیا۔ میں ان دریاؤں میں لڑھکتی پڑھکتی رہی۔ یوں میرے کنارے جھڑ گئے، اور میرا کھُردرا جسم چکنا اور چمک دار ہوگیا؛ اور اب میں وہ چھوٹی سی گول چمک دار پتھری ہوں، جس کو تم اپنے سامنے دیکھ رہی ہو۔ دریا کا پانی تو کسی طرح نکل گیا اور مجھے تمھارے سامنے چھوڑ گیا۔ اگر دریا مجھے بہا لے جاتا تو میں لڑھکنے پڑھکنے میں اور بھی چھوٹی ہوتی چلی جاتی؛ یہاں تک کہ میں ریت کے ہزاروں، لاکھوں ذرّے بن جاتی، اور اپنے ہی بھائی ریت میں مل کر دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے سینے پر کھلاتی۔ وہ میرا گھروندا بناتے، خوش ہوتے، اور میں اُن کو دیکھ کر خوش ہوتی"۔

اگر ایک چھوٹی سی پتھری تمھیں اتنا بڑا قصّہ سناتی ہے تو سوچو کہ تمام چٹانیں، بڑے بڑے پہاڑ اور بہت سی اور چیزیں، جو ہمارے ارد گرد نظر آرہی ہیں۔ تمھیں کیا کچھ نہیں سنائیں گی؟

۲

پچھلے زمانے کی تاریخ کیسے لکھی گئی؟

میں نے پچھلے خط میں تم سے یہ کہا تھا کہ زمین کی شروع شروع کی تاریخ معلوم کرنے کے لیے ہمیں دنیا کی کتاب کو پڑھنا چاہیے۔ جو چیزیں تم اپنے اِرد گرد دیکھتی ہو اُن سب کا حال اس کتاب میں لکھا ہے۔ اسی میں تمھیں چٹانوں، پہاڑوں، میدانوں، دریاؤں، سمندروں اور اُن پہاڑوں کا حال ملے گا، جن میں سے آگ نکلتی ہے۔ غرض، سب کچھ اسی میں ملے گا۔ یہ کتاب ہر وقت ہمارے سامنے کھلی رکھی رہتی ہے؛ لیکن ہم میں سے بہت کم ایسے ہیں جو اس کتاب کو دیکھنے کی پروا کرتے ہیں، یا اس کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کو پڑھنا سیکھ جائیں اور اس کو سمجھنے لگیں تو یہ ہم کو کیسی کیسی مزے دار کہانیاں سنائے! جو

کہانیاں ہم اس کتاب کے پتھروں کے ورقوں میں پڑھیں گے وہ دیوؤں اور پریوں کی کہانیوں سے بھی زیادہ مزے دار اور عجیب ہوں گی ؎

غرض، دنیا کی اس کتاب سے ہم کو اُن پرانے۔بہت ہی پُرانے۔ زمانے کا حال معلوم ہوگا، جب ہماری اس زمین پر نہ کوئی آدمی رہتا تھا، نہ جانور۔ جوں جوں ہم اس کو پڑھتے جائیں گے، ہمیں معلوم ہوتا جائے گا کہ اس زمین کا سب سے پہلا جانور کیوں کر پیدا ہوا۔ پھر ہماری آنکھوں کے سامنے اور جانور آتے جائیں گے۔ ان کے بعد عورت مرد آئیں گے، مگر وہ ایسے مرد اور عورت تھوڑا ہی ہوں گے جیسے آج کل دکھائی دیتے ہیں، بلکہ کچھ اور ہی طرح کے ہوں گے۔ وہ جنگلی ہوں گے، اُن میں اور جانوروں میں بہت ہی کم فرق ہوگا۔ آہستہ آہستہ، ہوتے ہوتے، وہ بہت سی چیزوں کو جانیں اور پہچانیں گے اور بہت سی باتوں پر سوچنا سمجھنا شروع کریں گے۔ یہی سوچنے اور سمجھنے کی طاقت ایسی چیز ہے، جو اُن میں اور جانوروں میں فرق پیدا کردے گی؛ کیوں کہ جانوروں میں سوچنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہی طاقت ایسی ہوگی جو اُن کو آدمیوں کو کہا جانے والے، اور بڑے سے بڑے

جانوروں سے بھی زیادہ زور دار بنا دے گی۔ آج تم اکثر دیکھتی ہوگی کہ ایک چھوٹا سا آدمی، ہاتھی کی گردن پہ بیٹھا ہوا، اتنے بڑے جانور سے جو کچھ چاہتا ہے کرالیتا ہے۔ ہاتھی کتنا بڑا اور کتنا طاقت ور جانور ہے۔ وہ اس چھوٹے سے مہاوت سے تو کہیں زیادہ طاقت ور ہے، جو اس کی گردن پہ بیٹھا ہوا اس سے کام لیتا ہے۔ یہ کیوں اور کیسے ہوتا ہے؟ صرف اس لیے کہ مہاوت سوچ سمجھ سکتا ہے، اور ہاتھی نہیں سمجھ سوچ سکتا۔ اسی لیے ہاتھی اس کا غلام ہے اور مہاوت اس کا مالک۔ جیسے جیسے آدمی میں سوجھ بوجھ بڑھتی گئی، وہ زیادہ ہوشیار اور زیادہ عقل مند ہوتا چلا گیا۔ اسی سے اس نے بہت سی چیزیں معلوم کرلیں؛ جیسے آگ جلا لینا، زمین کو جوتنا بونا، کھانے کی چیزیں اگالینا، تن ڈھانکنے کو کپڑا بُن لینا، رہنے کو گھر بنالینا۔ پھر بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں ایک جگہ مل کر رہنے لگے؛ یوں سب سے پہلے شہر بنے۔ جب تک شہر نہیں بسے تھے آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ مارے مارے پھرا کرتے تھے؛ شاید تمبوؤں جیسی کسی چیز کے نیچے سر چھپا بیٹھتے ہوں۔ اس وقت سے پہلے تو انھیں یہ بھی اچھی طرح معلوم نہ تھا کہ زمین سے اناج کیسے اگایا جاتا ہے۔ اسی لیے نہ اس وقت ان کے پاس اُبال لینے کو

چاول تھے، نہ روٹی پکانے کو گیہوں، نہ ترکاریاں۔ جو چیزیں تم اس وقت کھاتی ہو اُن کی اُنھیں خبر تک نہیں تھی۔ جنگل کی گھاس پات کی جڑیں، یا جنگلی درختوں کے پھل کھالیا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بڑا گزارہ جنگلی جانوروں کے گوشت پر تھا۔

جب شہروں میں آدمی بہت سے بسنے لگے، تو لوگوں نے اور اچھے اچھے کام سیکھ لیے۔ اُنھوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا۔ لیکن مدّتوں لکھنے کو کاغذ نہیں تھا، کیوں کہ ابھی تک کسی کو کاغذ بنانا نہیں آتا تھا؛ اس لیے وہ بھوج پتّر کے درخت کی چھال پر، یا تاڑ کے پتّوں پر لکھا کرتے تھے۔ اس وقت بھی کسی کسی کتب خانے میں تمھیں اُس پُرانے زمانے کی کتابیں تاڑ کے پتّوں پر لکھی ہوئی ملیں گی۔ اس کے بعد لوگوں کو کاغذ بنانا بھی آگیا، اور اب لکھنا اور بھی آسان ہوگیا۔ مگر اُن دنوں چھاپے خانے نہ تھے، اور آج کل کی طرح ہزاروں کتابیں نہیں چھپ سکتی تھیں۔ کوئی کتاب ایک دفعہ لکھ لی جاتی تھی، اور لوگ بڑی محنت کے ساتھ، ہاتھ سے، اُس کی نقل کرلیا کرتے تھے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ کتابیں بھی بہت نہیں ہوسکتی تھیں۔ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ تم کسی کتب فروش کی دوکان پر چلی جاؤ

اور جتنی چاہو کتابیں خرید لاؤ۔ اگر اُس زمانے میں کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو پہلے کوئی نقل کرنے والا تلاش کرنا پڑتا تھا۔ اس میں بڑی دیر لگتی تھی۔ مگر اُس زمانے میں لوگوں کے خط بہت اچھے ہوتے تھے۔ اس وقت بھی ہمارے کتب خانوں میں بہت سی ایسی کتابیں ملتی ہیں جو بہت اچھی لکھی ہوئی ہیں۔ ہندوستان میں تو خاص کر اُردو، فارسی اور سنسکرت کی کتابیں ہاتھ کی بڑی ہی اچھی لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ جو آدمی نقل کیا کرتا تھا وہ کتابوں کے کناروں پر بڑے خوب صورت پھول بوٹے بھی بنا دیا کرتا تھا۔

جب شہر بہت سے ہو گئے تو اُن ہی سے مل کر ملک بن گئے، اور الگ الگ قومیں بن گئیں۔ جو لوگ ایک ہی ملک میں پاس پاس رہتے تھے، وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو جاتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اُن لوگوں سے اچھے ہیں، جو دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں؛ اور اپنی بیوقوفی سے دوسرے ملک والوں سے لڑا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے تھے، اور اب تک نہیں سمجھتے، کہ ایک دوسرے سے لڑنا اور ایک دوسرے کو مار ڈالنا بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔ اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا۔

شروع زمانے کے شہروں اور ملکوں کی باتوں کو معلوم کرنے کے واسطے ہم کو کبھی کبھی پرانی کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن ایسی کتابیں بہت نہیں ہیں۔ اس میں ہمیں اور بہت سی چیزیں مدد دیتی ہیں۔ پرانے زمانے کے بادشاہ اپنی سلطنت کا حال پتھروں کی تختیوں، یا لوہے کی لاٹوں پر کھدوا دیا کرتے تھے۔ کتابیں بہت دنوں تک نہیں چلتیں۔ کاغذ پرانا ہوکر گل جاتا ہے، یا اس کو کیڑا کھا جاتا ہے۔ مگر پتھر، یا لوہے کی لاٹیں، بہت دنوں تک باقی رہتی ہیں۔ شاید تم نے بھی الہ آباد کے قلعے میں مہاراجہ اشوک کی بنوائی ہوئی پتھر کی لاٹ دیکھی ہوگی۔ اسی پر مہاراجہ اشوک کا فرمان کھدا ہوا ہے۔ یہ مہاراجہ کئی سو برس ہوئے کہ ہندوستان کا بہت بڑا بادشاہ ہو گزرا ہے۔ اگر تم لکھنؤ، یا کسی اور شہر کے عجائب خانوں میں جاؤ تو ایسے بہت سے پتھر دیکھوگی جن پر کچھ کھدا ہوا ہے۔

بہت سے ملکوں کی پرانی تاریخیں پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ کتنی ہوئیں کہ چین اور مصر میں کیسی بڑی بڑی باتیں ہوئی تھیں۔ اس وقت یوروپ کے ملک میں جنگلی لوگ رہتے تھے۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اُن اچھے دنوں میں رامائن اور مہابھارت

جیسی بڑی بڑی اور اچھی اچھی کتابیں لکھی گئی تھیں اور ہندوستان بڑا امیر اور طاقت ور ملک تھا ۔ آج ہمارا ملک بہت غریب ہے، اور ہمارے اوپر اور ملک کے آئے ہوئے لوگ بادشاہ ہیں ۔ ہم اپنے ملک میں جو کچھ چاہیں نہیں کرسکتے ۔ لیکن شاید ہمیشہ سے یہ بات نہیں تھی ۔ اگر ہم چاہیں تو اپنے ملک کے غریب آدمیوں کی حالت سنوار سکتے ہیں، اور ہندوستان کو ویسا ہی رہنے کے قابل بنا سکتے ہیں جیسا کہ آج کل یورپ ہے ؞

میں اگلے خط میں تمھیں شروع زمانے سے اس زمین کی بڑی مزے دار اور عجیب کہانی لکھوں گا ؞

(۳)

زمین کیسے بنی ؟

یہ تو تم جانتی ہو کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، اور چاند بھی زمین کے گرد گھومتا ہے۔ تم کو شاید یہ بھی معلوم ہے کہ اور بھی بہت سے اجرامِ فلکی (آسمان کی چیزیں) ہیں جو زمین کی طرح سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ ہماری زمین سمیت یہ سب سیّارے کہلاتے ہیں۔ سیارے اُن تاروں کو کہتے ہیں، جو سَیر کرتے، یعنی چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ ان کو ایک دوسرے کا "لاگو" بھی کہہ سکتے ہیں۔ چاند زمین کا لاگو کہلاتا ہے؛ کیوں کہ وہ زمین ہی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ اور بڑے بڑے سیّاروں کے بھی چھوٹے چھوٹے لاگو ہیں۔ سورج، بڑے سیّارے اور لاگو مل کر ستاروں کا ایک بڑا اچھا کُنبہ بنا ہوا ہے۔ اس کُنبے کو "نظام شمسی" کہتے ہیں۔ سورج

سارے سیّاروں کا باپ ہے اور سب اُس کے بال بچے؛ اسی واسطے یہ "نظامِ شمسی" یعنی سورج کے کُنبے کا انتظام کہلاتا ہے۔

رات کے وقت تم ہزاروں ستاروں کو آسمان میں دیکھتی ہو۔ ان میں سے بہت تھوڑے سے سیّارے ہیں؛ سچ پوچھو تو یہ تارے نہیں کہے جا سکتے۔ بھلا تم یہ بتلا سکتی ہو کہ ان ہزاروں تاروں میں سیّارے کون سے ہیں؟

حقیقت میں ہماری زمین کی طرح سیّارے بہت چھوٹے ہیں اور ستارے اُن سے بہت بڑے۔ مگر آسمان میں سیّارے بہت بڑے دکھلائی دیتے ہیں؛ کیوں کہ وہ ہماری زمین سے بہت نزدیک ہیں۔ چاند ہی کو دیکھو کہ وہ ہے تو چھوٹا سا، مگر دکھلائی دیتا ہے اتنا بڑا؛ کیوں کہ وہ ہم سے بہت نزدیک ہے۔ اگر یہ پہچاننا ہو کہ سیّارہ کون سا ہے اور ستارہ کون سا ہے، تو یہ دیکھو کہ اُن میں سے کون ٹمٹماتا ہے۔ جو ٹمٹماتا ہو وہ سیّارہ ہے اور جو نہیں ٹمٹماتا وہ ستارہ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سیّارہ صرف اس لیے چمکتا ہے کہ اس پر ہمارے سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ چاند یا سیّارے جو تمھیں چمکتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں وہ حقیقت میں دھوپ ہے۔

اصل ستارے جو ہیں، وہ ہمارے سورج کی طرح روشن ہیں۔
وہ آپ ہی آپ اس لیے چمکتے ہیں کہ وہ بہت سخت گرم، بلکہ
جل رہے ہیں۔ اصل پوچھو تو ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہے؛
وہ صرف اس واسطے بڑا نظر آتا ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے؛ اور
یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگ کی بہت بڑی سی گیند ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ہماری زمین بھی سورج ہی کے کُنبے
میں شامل ہے؛ یا یوں کہو کہ وہ بھی نظامِ شمسی میں داخل ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زمین بہت بڑی ہے۔ اگر ہم اپنے چھوٹے
سے قد سے اُس کا مقابلہ کریں تو بے شک زمین بہت ہی بڑی ہے۔
اگر ہم کسی تیز چلنے والی ریل، یا کسی تیز چلنے والے جہاز، میں
بیٹھ کر زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانا چاہیں
تو کئی ہفتے، بلکہ کئی مہینے، لگیں گے۔ اگرچہ ہمیں یہ بہت ہی بڑی
معلوم ہوتی ہے؛ لیکن وہ ایسی ہے جیسے بعض وقت تم کو ہوا میں
گرد کا دھبّا سا نظر آتا ہو۔ سورج ہم سے لاکھوں میل دُور ہے؛
اور دوسرے تارے تو اس سے بھی زیادہ دُور ہیں۔

علمِ ہیئت (یعنی ستاروں کا علم) جاننے والے یہ بتلاتے

ہیں کہ بہت، بہت زمانہ ہوا کہ زمین اور سارے سیّارے، سُورج ہی کے حصّے تھے ۔ اُس وقت بھی سُورج ایسی ہی جلتی ہوئی اور بہت ہی سخت گرم چیز تھا، جیسا کہ اس وقت ہے ۔ کسی نہ کسی طرح یہ ہوا کہ سُورج کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اُس سے ٹوٹ کر الگ ہوگئے، اور وہ بھی ہوا میں گھومنے، یا تیرنے لگے ۔ لیکن اُن کو اپنے باپ، یعنی سُورج، سے ایسی محبّت تھی کہ اُنھوں نے اُس کو نہیں چھوڑا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سُورج کے یہ ٹکڑے کسی رسی کے بندھے ہوئے ہیں اور اُس کے گرد ناچے، یا گھومے، چلے جاتے ہیں ۔ یہ عجیب و غریب طاقت، جس کو میں نے رسی کہا ہے، ایسی طاقت ہے کہ اس سے بڑی چیز، چھوٹی چیز کو اپنی طرف کھینچی رہتی ہے ۔ یہی وہ طاقت ہے جو چیزوں کو اُن کے بوجھ کے سبب سے نیچے گرا دیتی ہے ۔ ہمارے قریب سب سے بڑی چیز زمین ہی ہے، وہی ہم کو اور ہماری سب چیزوں کو اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے ۔

اسی طرح ہماری زمین بھی سُورج ہی کا ایک ٹکڑا تھی، جو بعد کو سُورج سے الگ ہوگئی ۔ ظاہر ہے کہ یہ ٹکڑا، یعنی زمین، بہت گرم ہوگی، اس میں سے بہت ہی سخت گرم بُخارات (ہوائیں) نکلتے ہوں گے.

اور خود اس کی ہوائیں بھی بہت ہی گرم ہوں گی؛ مگر چوں کہ یہ ٹکڑا یعنی ہماری زمین، سورج سے بہت ہی چھوٹا تھا اس لیے وہ جلدی ٹھنڈا ہونا شروع ہوگیا۔ سورج کی گرمی بھی آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے، لیکن اس کے ٹھنڈا ہونے میں ابھی لاکھوں برس اور لگیں گے۔ زمین کو ٹھنڈا ہونے میں بہت کم وقت لگا۔ جب زمین گرم تھی تو کوئی بھی اس پر زندہ نہیں رہ سکتا تھا، نہ کوئی آدمی، نہ کوئی اور جان دار، نہ کوئی درخت، نہ کوئی جھاڑی بوٹی۔ گرمی سے ہر چیز جل جاتی ہوگی ٭

ٹھیک اسی طرح جیسے سورج سے ایک ٹکڑا الگ ہوکر زمین بن گئی، زمین سے ایک ٹکڑا الگ ہوکر چاند بن گیا۔ بہت سے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اس بہت ہی بڑی خالی جگہ سے نکلا ہے، جہاں آج کل امریکہ اور جاپان کے بیچ میں وہ سمندر ہے جس کو بحرِ اوقیانوس کہتے ہیں ٭

غرض، زمین ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی۔ اس میں بہت وقت لگا۔ ہوتے ہوتے زمین کا اوپر والا حصّہ اور حصّوں سے جلد اور زیادہ ٹھنڈا ہوگیا۔ مگر اندر کا حصّہ پھر بھی بہت گرم رہا۔ اب بھی اگر

تم کسی کوئلے کی کان کے اندر جاؤ، تو جیسے جیسے تم نیچے اُترتی جاؤگی، ویسے ویسے تم کو معلوم ہوتا جائے گا کہ گرمی بڑھتی جارہی ہے۔ اگر تم اور بھی نیچے۔ بہت نیچے۔ جاؤ تو تم زمین کو گرمی کے مارے ایسا لال پاؤگی جیسے لوہا گرم ہوکر لال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند بھی ٹھنڈا ہونے لگا۔ چوں کہ وہ زمین سے بہت چھوٹا ہے، اس لیے وہ جلدی ٹھنڈا ہوگیا۔ اب وہ اتنا ٹھنڈا نظر آتا ہے کہ اُس کو دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟ اسی لیے اُس کو ٹھنڈا چاند کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اُس میں برف کے پہاڑ کے پہاڑ بھرے پڑے ہوں ؛

جب زمین کے ٹھنڈے ہونے سے ہوا بخارات کو لے کر اُڑی تو وہ بخارات پانی بن گئے اور مینہ کی صورت میں پانی بن کر برس پڑے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مینہ اُس وقت بہت ہی زیادہ برسا ہوگا۔ اسی سے زمین میں جہاں گہرائی تھی سب بھر گئی۔ یوں بڑے بڑے سمندر بن گئے۔ جوں جوں زمین اور سمندر ٹھنڈے ہوتے گئے، اُس پر اور سمندر کے اندر جان دار چیزیں زندہ رہ سکیں ؛

میں اگلے خط میں بتلاؤں گا کہ شروع شروع میں جان دار چیزوں کی کیا حالت تھی ؛

(۴)

سب سے پہلی جان دار چیزیں

اس خط کے پہلے خط سے تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ بہت زمانے تک زمین اتنی گرم رہی ہوگی کہ اُس پر یا اُس کے اندر کوئی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ جان دار چیزیں زمین پر کب پیدا ہوئیں اور وہ کیسی چیزیں تھیں؟ یہ سوال ہے تو بڑا مزے دار، مگر اس کا جواب دینا بھی کچھ آسان نہیں، بڑا مشکل ہے۔ پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ جان ہے کیا چیز؟ یقین ہے کہ تم یہ کہو گی کہ انسان جان دار ہیں، اور جانور بھی جان دار ہیں۔ اچھا، یہ بتلاؤ کہ درخت، جڑی بوٹی، پھول، بناس پتی بھی جان دار ہیں کہ نہیں؟ بے شک یہ سب بھی جان دار ہیں۔ یہ پیدا ہوتے ہیں، ہوا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، بڑھتے ہیں اور مرجاتے ہیں۔ درختوں اور جانوروں

میں صرف اتنا فرق ہے کہ درخت چل پھر نہیں سکتے اور جانور چلتے پھرتے ہیں ۔ شاید تمھیں یاد ہوگا کہ میں نے لنڈن میں تمھیں کچھ پودے دکھلائے تھے جو مکھیاں کھاتے تھے ۔ پھر ایسے بھی جانور ہیں، جیسے اسفنج، جو سمندر کی تہ میں رہتے ہیں، اور ہلتے بھی نہیں۔ بعض وقت یہ بتلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ ایک چیز جانور ہے، یا پودا! جب تم علم نباتات (یعنی وہ علم جس سے جڑی بوٹیوں کا حال معلوم ہوتا ہے) یا علم حیوانات (وہ علم جس سے جان داروں کا حال معلوم ہوتا ہے) پڑھوگی تو تم کو اُن عجیب عجیب چیزوں کا حال معلوم ہوگا جو نہ پورے جانور ہیں، نہ پورے پودے ؟

بعض لوگ یہ بھی بتلاتے کہ پتھروں اور چٹانوں میں بھی ایک طرح کی جان ہے، اور اُن کو دُکھ درد بھی ہوتا ہے ۔ لیکن اس کو معلوم کرنا ذرا مشکل کام ہے ۔ شاید تمھیں یاد ہوگا کہ جنیوا میں ایک صاحب ہم سے ملنے آئے تھے ۔ اُن کا نام جگدیش بوس ہے ۔ انھوں نے بہت اچھی طرح غور سے دیکھ بھال کر یہ ثابت کیا ہے کہ درختوں اور پودوں میں بہت کچھ جان ہے ۔ اُن ہی کا خیال ہے کہ پتھروں میں بھی جان ہے ؟

یوں، یہ بتلانا کچھ آسان نہیں ہے کہ کون سی چیز جان دار ہے اور کون سی نہیں ہے۔ اس وقت ہمیں پتھروں کا ذکر تو چھوڑ دینا چاہیئے، اور صرف درختوں اور جانوروں پر غور کرنا چاہیئے۔ آج دنیا میں ہزاروں طرح کی جان دار چیزیں موجود ہیں۔ وہ ہر قسم کی ہیں: مرد ہیں، عورتیں ہیں؛ ان میں سے کچھ بہت ہوشیار ہیں، اور کچھ بہت بے وقوف۔ پھر جانور ہیں؛ ان میں سے بھی تم کو سمجھ دار جانور ملیں گے؛ جیسے ہاتھی، یا بندر، یا چیونٹی۔ بہت سے جانور ایسے بھی ملیں گے جو بالکل سمجھ نہیں رکھتے۔ سمندر کی مچھلیاں، اور اور چیزیں، جان داروں میں نیچے درجے کی ہیں۔ ان سے بھی نیچے درجے میں تم ایسے جان دار پاؤ گی جن کا درجہ مچھلیوں سے بھی نیچا ہے؛ جیسے اسفنج اور فالودے جیسی مچھلی؛ اور ایسی چیزیں جو آدھی جان دار ہیں اور آدھی درخت۔

یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ مختلف طرح کے جانور یکایک، ایک ہی وقت میں، پیدا ہو گئے تھے، یا آہستہ آہستہ، ایک ایک کرکے، پیدا ہوئے۔ یہ کس طرح معلوم ہو؟ اتنے پرانے زمانے کی تو کوئی کتاب بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن

کیا تُم ہی دنیا کی کتاب ہمیں مدد دے سکتی ہے؟ بے شک دے سکتی ہے۔ پُرانی چٹانوں میں ہم کو جانوروں کی ہڈّیاں ملتی ہیں۔ ان کو "متحجّر" (پتھر بنی ہوئی) کہتے ہیں۔ ان ہڈّیوں کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت مدّت ہوئی، جب یہ چٹان بنی تھی تو وہ جانور، جس کی یہ ہڈّیاں ہیں، زندہ ہوگا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے لنڈن کے عجائب خانے میں بہت سے چھوٹے بڑے جانوروں کی متحجّر ہڈّیاں دیکھی تھیں۔

جب کوئی جانور مرتا ہے تو اُس کی کھال اور گوشت بہت جلد گل، سڑ جاتی ہے، مگر ہڈّیاں مدتوں باقی رہتی ہیں۔ یہی ہڈّیاں ہم کو اُس پُرانے زمانے کے جانوروں کا حال بتلاتی ہیں۔ لیکن فرض کرو کہ کسی جانور کی ہڈّیاں ہی نہ ہوں، جیسے قاؤسے جیسی مچھلی؛ وہ مرے گی تو اپنی نشانی کچھ بھی نہیں چھوڑ جاوے گی۔

اگر ہم چٹانوں کو بہت غور اور احتیاط سے دیکھیں، اور پُرانی متحجّر ہڈّیاں جمع کریں، تو یہ معلوم ہوگا کہ مختلف قسم کے جانور، مختلف زمانوں میں زندہ تھے۔ یہ نہیں ہوا کہ یہ سب کے سب ایک ہی وقت میں جمع ہو کر کہیں سے آگئے تھے۔ پہلے تو بہت

سادی سی بناوٹ کے خول دار جانور تھے؛ جیسے سنکھ مچھلی، سیپی، کوڑی؛ سمندر کے کنارے جو خوبصورت سیپی تم کو ملتی ہے، وہ مرے ہوئے جانوروں کے ہڈی جیسے خول ہوتے ہیں۔ ان کے بعد ہم کو ایسے جانور ملتے ہیں جن کی بناوٹ کچھ پیچ دار سی ہے؛ جیسے سانپ؛ بہت بڑے بڑے چوپائے، جو ہمارے ہاتھیوں سے بھی بڑے تھے؛ چڑیاں، اور بعض ایسے جانور جو ہمارے زمانے کے جانوروں سے ملتے جلتے ہیں۔ سب سے آخر میں انسان کی نشانیاں ملتی ہیں۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ان جانوروں کے پیدا ہونے میں کوئی نہ کوئی ترتیب تھی۔ پہلے بہت ہی سادی بناوٹ کے، پھر اُن سے اونچے قسم کے، ہوتے ہوتے زیادہ پیچیدہ طرح کے، سب سے آخر میں بہت ہی اونچے درجے کے جانور۔ جن کو ہم انسان کہتے ہیں؛ اس کی بڑی مزے دار کہانی ہے کہ سادے اسفنج اور سیپ کی قسم کی مچھلیوں نے کیسے ترقی کی؛ شاید میں یہ بھی کسی دن تمھیں بتلاؤں گا۔ اس وقت تو ہمیں صرف سب سے پہلے جان داروں سے غرض ہے، اُن ہی کا حال تمھیں بتلا رہا ہوں؛

جب زمین ٹھنڈی پڑ گئی تو غالباً سب سے پہلا جان دار فالودے

جیسا ہوگا، جس کا نہ کوئی خول ہوگا نہ ہڈی؛ اور وہ سمندر میں رہتا ہوگا۔ اس کی کوئی متحجر نشانی باقی نہیں رہی؛ کیوں کہ اُن جان دار چیزوں کے ہڈی نہ تھی۔ اس لیے ہم کو تھوڑا بہت قیاس ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔ فالودے کی سی چیزیں اس وقت بھی سمندر میں ملتی ہیں۔ یہ گول سی ہوتی ہیں؛ لیکن اُن کی صورت برابر بدلتی رہتی ہے؛ کیوں کہ نہ اُن کے ہڈی ہوتی ہے نہ خول۔ وہ کچھ ایسی ہوتی ہیں:



تم دیکھو گی کہ ان کے بیچ میں ایک نقطہ جیسا ہے۔ اس کو تخم (بیج) کہتے ہیں۔ یہ دل کی قسم کی سی ایک چیز ہے۔ یہ جانور (یا جو کچھ تم چاہو ان کو کہہ لو) عجیب طریقے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، اور ایک سے دو بن جاتے ہیں۔ ان کے جسم کا کوئی حصہ پتلا ہونے لگتا ہے، اور برابر پتلا ہوتا رہتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کے فالودے جیسے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں؛ اور دونوں اصل ہی جیسے ہوتے

ہیں ۔ یہ دو ٹکڑے ہونا کچھ ایسا ہوتا ہے :



تم دیکھوگی کہ "تخم" یا دل کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، اور ہر ٹکڑے میں اُس کا ایک حصّہ آجاتا ہے ۔ اس طرح پر یہ جان دار ٹکڑے ٹکڑے ہوتے اور بڑھتے رہتے ہیں ؛

ہماری زمین پر سب سے پہلی جان دار چیز ایسی ہی کچھ ہوگی۔ زندگی کی یہ کیسی سادہ اور حقیر نشانی ہے ! اُس وقت تمام زمین پر اس سے زیادہ اچھی، یا اونچے درجے کی اور کوئی چیز نہیں ہوگی ! اُس وقت تک اصل جانور اس زمین پر نہیں پیدا ہوا ہوگا ؛ اور انسان کے آنے میں تو ابھی اور لاکھوں برس باقی ہوں گے ؛

ان فاؤدے جیسی چیزوں کے بعد سمندر کی گھاس نکلی ، پھر خول دار مچھلی، پھر گھونگے، پھر کیڑے، اور ان سب کے بعد مچھلیاں پیدا ہوئیں ۔ ہم کو ان کا بہت کچھ حال معلوم ہے ؛ کیوں کہ ان کے جسموں میں ہڈیاں تھیں، یا سخت قسم کے خول تھے ۔ ان ہی کو وہ

چھوڑ گئے، تاکہ ہم ہزاروں، لاکھوں، برس کے بعد اُن کے متعلق تحقیقات کر سکیں۔ وہ کیچڑ ہی میں مرے تھے، اُسی میں اُن کی یہ ہڈیاں گڑی رہ گئیں، اس پر اور کیچڑ اور ریت جما، اور یہ حفاظت سے رہ گئیں۔ پھر یہ سوکھ کر سخت ہوگئیں، ان پر اور مٹی اور ریت چڑھا اور ان کے بوجھ سے وہ مٹی اُن کے خول اور ہڈیوں سمیت پتھر جیسی سخت ہوگئی، اور ہوتے ہوتے چٹان جیسی بن گئی۔ یوں سمندر کی تہ میں یہ چٹانیں بنیں۔ پھر کوئی زلزلہ (بھونچال) آیا، یا ایسا ہی کچھ اور ہوا، اور یہ چٹانیں سمندر کی تہ سے نکل آئیں، اور سوکھ کر سمندری چٹانوں کی جگہ زمین کی چٹانیں ہوگئیں۔ مینہ برسا، دریا نے ان کو کاٹا، وہ چٹانیں ٹوٹیں، اور اُن کے اندر جو خزانے (جانوروں کی ہڈیاں اور خول) ہزاروں لاکھوں برس سے چھپے ہوئے تھے باہر نکل آئے۔ یوں یہ ہڈیاں، یا خول، متحجر ہوکر ہماری آنکھوں کے سامنے آئے۔ اب جو ہم نے اُن کو غور سے دیکھا اور تحقیقات کی، تو ہم کو ان کا حال معلوم ہوا، اور یہ بھی پتہ لگا کہ اب سے لاکھوں برس پہلے، جب انسان پیدا نہیں ہوا تھا، یہ زمین کیسی تھی۔

اگلے خط میں میں تمھیں بتلاؤں گا کہ ان سادہ بناوٹ کے جان داروں نے کیسے ترقی کی کہ یہ ایسے جانور بن گئے، جن کو ہم آج کل ہر جگہ دیکھ رہے ہیں ٭

(۵)

جانوروں کی پیدائش

تمھیں یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ ہماری زمین پر زندگی کی جو سب سے پہلی نشانیاں تھیں، وہ غالباً سمندر کے رہنے والے، سادی بناوٹ کے، چھوٹے چھوٹے جانور تھے، یا سمندر کے پودے۔ وہ صرف پانی ہی میں رہ سکتے تھے۔ اگر باہر نکلتے اور خشک ہو جاتے تو مر جاتے؛ جیسے آج کل کی فالودے جیسی مچھلی اگر سمندر کے سوکھے کنارے پر آکر اور کسی چیز میں اُلجھ کے رہ جاتی ہے تو فوراً مر جاتی ہے۔ لیکن اُن دنوں دنیا میں پانی اور دلدل بہت ہوں گی؛ جتنی آج کل ہیں اُن سے تو کہیں زیادہ ہی ہوں گی۔ اس وقت تو یہ فالودے جیسی مچھلیاں اور اور سمندر کے جانور، جن کی کھال کسی قدر سخت ہے، کچھ تھوڑی

دیر تک خشک زمین پر رہ سکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ اتنی جلدی نہیں
سوکھ جاتے۔ غرض، یوں ہوتے ہوتے یہ نرم، فالودے جیسی مچھلی اور
اُس کی قسم کی اور چیزیں، کم ہوتی چلی گئیں؛ کیوں کہ وہ خشکی میں
زندہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ جن جانوروں کی کھالیں سخت تھیں، وہ
جانور بڑھتے چلے گئے۔ اس کے اوپر غور کرنے سے بڑا مزہ آتا ہے۔
اس کا یہ مطلب ہے کہ جانوروں نے اپنی آس پاس کی حالت
کو دیکھ کر اپنے آپ کو اُس کے موافق بنا لیا۔ تم نے لنڈن کے
عجائب خانے میں دیکھا ہے کہ ایسے سرد ملک کی چڑیاں، جہاں برف
زیادہ گرتا ہے، وہ برف کی طرح سفید ہوتی ہیں۔ گرم ملکوں میں، جہاں
ہریالی، جڑی، بوٹی اور درخت زیادہ ہوتے ہیں یہی چڑیاں ہرے رنگ
کی ہوتی ہیں، یا کسی اور چمک دار رنگ کی۔ یوں چڑیاں اور جانور
اپنے آپ کو آس پاس کے رنگ جیسا بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنا رنگ
اس لیے بدل لیتے ہیں کہ اس سے وہ اپنے دشمنوں سے بچے
رہیں؛ کیوں کہ اگر اُن کا رنگ اُن کے آس پاس جیسا نہ ہو تو
وہ جلدی دکھلائی پڑ جائیں، اور دشمن اُن کو پکڑ لے۔ ٹھنڈے
ملکوں میں اُن کے بدن پر اُون، یا بال، بڑھ جاتے ہیں جن کے

سبب سے وہ سردی سے بچے رہتے ہیں۔ شیر یا چیتے کا بدن بھی اسی لیے خاکی ہوتا ہے اور اس پر گول گول داغ ہوتے ہیں۔ اس کو غور سے دیکھو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جنگل میں درختوں میں سے دھوپ چھن چھن کر آتی ہو۔ اسی لئے تو گھنے جنگل میں شیر یا چیتا کم نظر آتا ہے۔

یہ مزے دار بات ہے کہ جانور یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنا رنگ ویسا ہی کرلیں، جیسا اُن کے آس پاس کا رنگ ہے۔ یہ ایک اہم بات ہے۔ یہ یاد رکھو کہ جانور اپنا رنگ آپ ہی بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو جانور اپنا رنگ بدل لیتے ہیں وہ اپنے دشمنوں سے بچے رہتے ہیں، اور اُن کو زندہ رہنے کی زیادہ اُمید ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اپنے آس پاس کے مطابق رنگ بدلنے والے جانور بڑھتے جاتے ہیں، اور جو رنگ نہیں بدلتے وہ کم ہوتے جاتے ہیں۔ اس رنگ کے بدلنے سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ سادہ بناوٹ کے جانور اپنے آپ کو بدلتے بدلتے، پیچیدہ بناوٹ کے جانور ہو جاتے ہیں، اور ہوتے ہوتے اُونچے درجے کے جانور بن جاتے ہیں۔ ایسے جانور اپنے آپ کو بدلتے بدلتے آگے بڑھتے رہتے ہیں،

اور ہوتے ہوتے انسان بن جاتے ہیں۔ مگر انسان بننے تک ان کو لاکھوں برس لگے ہوں گے۔ ہمارے ارد گرد کی چیزیں بھی برابر، بہت ہی آہستہ آہستہ، بدل رہی ہیں۔ اتنا آہستہ آہستہ کہ ہم اُن کا بدلنا کسی طرح معلوم ہی نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ہماری عمریں بھی اتنی بہت زیادہ نہیں ہوتیں کہ ہم یہ بہت ہی آہستہ آہستہ بدلنا دیکھ سکیں۔ مگر خدا کی قدرت اپنا کام کیے جاتی ہے، وہ نہ کبھی ٹھیرتی ہے، نہ آرام لیتی ہے۔ وہ برابر اور ہر وقت چیزوں کو بدل رہی ہے اور اُن کو مکمل (پورا) بنا رہی ہے۔

میں تمھیں یہ بتلا چکا ہوں کہ ہماری زمین آہستہ آہستہ زیادہ ٹھنڈی اور خشک ہوتی جا رہی ہے۔ جب وہ اور ٹھنڈی ہوئی تو آب و ہوا بدل گئی اور اُس کے ساتھ ہی اور بہت سی چیزیں بھی بدل گئیں۔ جب زمین کے ٹھنڈا ہونے سے اتنی چیزیں بدلیں تو جانور بھی بدلے اور نئی نئی قسم کے جانور پیدا ہوئے۔ پہلے تو سادہ بناوٹ کے سمندری جانور پیدا ہوئے، پھر پیچیدہ بناوٹ کے سمندری جانور۔ بعد کو جب خشک زمین بڑھی تو ایسے جانور نکلے جو پانی اور خشک زمین دونوں پر، زندہ رہ سکتے تھے؛ جیسے آج کل کے گھڑیال اور مینڈک

ہیں۔ ان کے بعد وہ جانور پیدا ہوئے جو خشکی ہی میں رہ سکتے تھے اور پھر چڑیاں آئیں جو ہوا میں اڑ سکتی تھیں۔

میں نے ابھی مینڈک کا نام لیا ہے۔ اس کے اوپر غور کرنا بڑا مزہ دے گا، کیوں کہ اس کی زندگی ایسی ہے جو یہ بتلاتی ہے کہ پانی کا جانور آہستہ آہستہ بدل کر کس طرح خشکی کا جانور بن جاتا ہے۔ مینڈک شروع شروع میں تو مچھلی ہوتا ہے، پھر خشکی کا جانور بن جاتا ہے، اور جس طرح سارے خشکی کے جانور اپنے پھیپھڑوں سے سانس لیتے ہیں اُسی طرح یہ بھی پھیپھڑوں سے سانس لینے لگتا ہے۔

جس زمانے میں خشکی پر جان دار پیدا ہوئے ہیں، اُس زمانے میں دنیا میں بڑی بڑی دلدلیں، اور بڑے بڑے جنگل تھے۔ بعد کو یہ جنگل مٹی سے اٹ گئے ہوں گے۔ پھر اس مٹی کی چٹانیں بن گئی ہوں گی۔ ان کا جو دباؤ اور بوجھ پڑا ہوگا تو آہستہ آہستہ سارا جنگل، نیچے ہی نیچے، کوئلہ بن کر رہ گیا ہوگا۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ کوئلہ ایسی کانوں سے نکلتا ہے، جو بہت ہی گہری ہوتی ہیں۔ یہ کوئلے کی کانیں اب سے لاکھوں برس پہلے کے جنگل ہیں۔

خشکی کے سب سے پہلے جانور بہت ہی بڑے بڑے سانپ،

بڑی بڑی چھپکلی اور بڑے بڑے مگرمچھ تھے۔ ان میں سے کچھ تو سو سو فیٹ لمبے تھے۔ ذرا خیال تو کرو کہ سو فٹ کا لمبا سانپ اتنی ہی بڑی چھپکلی! کیسی ڈراؤنی چیز ہوگی! تمھیں شاید یاد ہوگا کہ تم نے لنڈن کے عجائب خانے میں ایسے ہی ڈراؤنے جانوروں کی متحجر ہڈیاں دیکھی تھیں۔

ان کے بعد وہ جانور آئے، جو آج کل ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ "دودھ پلانے والے" جانور کہلاتے ہیں، کیوں کہ یہ اپنے بچّوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ یہ بھی پہلے زمانے میں آج کل کے دودھ پلانے والے جانوروں سے بہت بڑے تھے۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں جو جانور سب سے زیادہ انسانوں سے ملتا ہے، وہ بندر، بلکہ بن مانس، ہے۔ اسی لیے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ انسان، بندر کی اولاد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ہر جانور نے اپنے آپ کو اپنی آس پاس کی چیزوں کے موافق بنایا، اور برابر ترقی کرتا رہا، اسی طرح آدمی بھی شروع شروع میں اچھی قسم کا بندر تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی ترقی کرتا رہا، یا یہ کہنا چاہیئے کہ خدا کی قدرت ترقی کراتی رہی، اور اس کو سدھارتی،

سنوارتی رہی ۔ اور اب؟ اب تو انسان اپنی برابر کسی کو سمجھتا ہی نہیں! نہ معلوم اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ کم سے کم اپنے آپ کو جانور تو نہیں سمجھتا؛ اُن سے کچھ بہت ہی بڑھیا چیز سمجھتا ہے! چاہے جو کچھ ہو؛ انسان اپنے آپ کو کچھ ہی سمجھے، مگر اُسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ بندر اور بن مانس کا سگا نہیں، تو چچیرا بھائی ہے۔ مجھے شاید یہ کہنے میں رُکنا نہیں چاہیے کہ اب بھی ہم انسانوں میں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو بندروں کے سے کام کرتے ہیں!

(۶)

انسان کی پیدائش

میں نے اپنے پچھلے خط میں یہ بتلایا ہے کہ زمین پر جاندار کس طرح پیدا ہوئے؛ اور جب وہ پیدا ہوئے تو کیسی سادہ بناوٹ کے تھے؛ پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے، لاکھوں برس میں، ایسے ہو گئے، جیسے آج کل دکھلائی دیتے ہیں۔ تم کو یہ عجیب مزے دار اور اہم بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ جب جانور ترقی کرنا شروع کرتے ہیں، تو پہلے اپنے آپ کو اپنے آس پاس کی چیزوں کے موافق بناتے ہیں۔ اس کوشش میں وہ بہت سی خوبیاں اپنے میں پیدا کر کے اونچا درجہ حاصل کرتے ہیں، اور پیچیدہ بناوٹ کے بنتے چلے جاتے ہیں۔ ہم اس بدلنے یا ترقی کرنے کو کئی طرح معلوم کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے اسی کو

دیکھ لو کہ شروع میں جانوروں کے ہڈیاں نہیں ہوتی تھیں، اس سبب سے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اب اُن کے ہڈیاں پیدا ہوگئیں۔ سب سے پہلے جو ہڈی اُن کو ملی وہ کمر کی ہڈی تھی، جس کو "ریڑھ کی ہڈی" کہتے ہیں۔ یوں جانوروں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؛ ایک وہ جن کے ہڈی نہیں ہوتی، اور دوسرے وہ جن کے ہڈی ہوتی ہے۔ آدمیوں اور اُن جانوروں کے، جو تم کو دکھائی دیتے ہیں، سب کے ہڈیاں ہوتی ہیں۔

ایک اور بات تم یہ پاؤ گی کہ کچھ جانور بھولے بھالے ہوتے ہیں، جیسے مچھلی، کہ وہ انڈے دے کر چھوڑ جاتی ہے۔ وہ ایک دفعہ میں ہزاروں انڈے دیتی ہے، مگر پھر اُن کی طرف مڑکر بھی نہیں دیکھتی۔ ماں اپنے بچوں کی ذرا سی بھی پروا نہیں کرتی۔ وہ انڈے دے کر چل دیتی ہے، اور پھر اُن کے پاس تک نہیں پھٹکتی۔ ان انڈوں کی کوئی پروا کرنے والا نہیں ہوتا اس لیے ان میں سے سب سے زیادہ انڈے گندے ہوکر، گویا، مر جاتے ہیں؛ بہت ہی کم ایسے انڈے رہ جاتے ہیں جن میں سے مچھلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اُف! کتنے انڈے خراب ہوتے ہیں!

اب اِن سے اوپر کے درجے کے جانوروں کو دیکھو۔ اُن کے انڈے یا بچّے، مچھلیوں سے بہت کم ہوتے ہیں، مگر ماں اُن کی بہت حفاظت کرتی ہے ؛

مُرغی بھی انڈے دیتی ہے، مگر وہ اُن کو بیٹھ کر سینتی ہے، اور جب بچّے نکلتے ہیں تو اُن کو کئی دن تک چُگاتی ہے۔ جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر ماں اُن کی فکر چھوڑ دیتی ہے ؛

اونچے درجے کے، یعنی دُودھ پلانے والے، جانوروں کی بھی حالت بدلتی ہے۔ میں ان جانوروں کا کچھ ذکر اپنے پچھلے خط میں کر چکا ہوں۔ یہ جانور انڈے نہیں دیتے، بلکہ بچّے دیتے ہیں، جیسے کُتّے، بلّی اور خرگوش۔ جب بچّہ پیدا ہوتا ہے، تو ماں ان بچّوں کو دُودھ پلاتی ہے، اور اُن کی بہت خبرداری کرتی ہے، پھر بھی بہت سے بچّے جاتے رہتے ہیں۔ خرگوش کچھ مہینوں کے بعد بہت سے بچّے دیتی ہے، مگر اُن میں سے بہت سے مر جاتے ہیں۔ زیادہ اونچے درجے کے جانوروں، جیسے ہاتھی، کے صرف ایک ہی بچّہ ہوتا ہے، اور اُس کی ماں اُس کی بہت خبرداری کرتی ہے ؛

اس سے تمھیں یہ معلوم ہوگا کہ جانور جب ترقی کرتے ہیں تو وہ انڈے نہیں دیتے، بلکہ اپنی ہی طرح جیتے جاگتے بچّے دیتے ہیں، صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ بچّے ماں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔

دوسری بات تمھیں یہ معلوم ہوگی کہ اُن سے زیادہ اونچے درجے کے جانور صرف ایک ہی بچّہ دیتے ہیں؛ اور اُن کو اپنے بچّوں سے محبّت ہوتی ہے۔ انسان سب سے اونچے درجے کا جانور ہے، اس لیے ماں اور باپ، دونوں، اپنے بچّوں سے محبّت کرتے ہیں اور اُن کی بہت خبرداری کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے سب سے پہلے نیچے کے درجے کے جانوروں سے ترقی کی ہوگی۔ غالباً سب سے پہلا انسان ایسا انسان نہ ہوگا جیسا کہ ہم آج اُسے دیکھ رہے ہیں۔ وہ آدھا بن مانس، اور آدھا انسان ہوگا، اور بندروں کی طرح رہتا سہتا ہوگا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ جب میں جرمنی میں ایک پروفیسر سے ملنے، ہائڈل برگ کے شہر میں گیا تھا تو تم بھی میرے ساتھ تھیں۔ اُس نے اپنا عجائب خانہ دکھلایا تھا، جس میں بہت سی متحجّر چیزیں تھیں؛ اور خاص کر ایک پُرانی کھوپڑی، جس کو وہ بڑی حفاظت سے ایک صندوق میں تالا لگاکر رکھتا تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ کھوپڑی کسی بہت ہی پُرانے زمانے کے آدمی کی تھی۔ اب وہ "ہائڈل برگ کا آدمی"

کہلاتا ہے؛ کیوں کہ یہ کھوپڑی وہیں ملی تھی، جہاں آج کل ہائڈل برگ آباد ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جس زمانے میں یہ آدمی زندہ ہوگا، اُس زمانے میں نہ وہاں ہائڈل برگ ہوگا، نہ کوئی اور آبادی ؛

اُس بہت ہی پُرانے زمانے میں، جب سب سے پہلا انسان زمین پر گھومتا پھرتا ہوگا، دنیا میں بڑی سخت سردی ہوگی۔ اُس وقت برف اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ زمانہ ہی "برف کا زمانہ" کہلاتا ہے۔ برف کے بڑے بڑے پہاڑ، یا تودے، جیسے کہ آج کل قطب شمالی میں (جہاں بہت ہی سخت سردی ہوتی ہے) بہتے ہوئے سیدھے انگلستان اور جرمنی تک پہنچ گئے۔ اس سخت سردی کے سبب سے انسانوں کو اتنی تکلیف ہوتی ہوگی کہ جینا مشکل معلوم ہوتا ہوگا۔ وہ صرف وہیں رہ سکتے ہوں گے جہاں یہ برف کے پہاڑ، یا تودے، نہ ہوتے ہوں گے۔ سائنس جاننے والے یہ بتلاتے ہیں کہ اُس زمانے میں بحر روم نہ تھا؛ بلکہ جہاں اس وقت بحر روم ہے وہاں دو جھیلیں تھیں۔ بحر احمر بھی نہ تھا۔ جہاں اب یہ سمندر موجیں مار رہا ہے وہاں خشک زمین تھی۔ غالباً ہندوستان کا بڑا حصّہ ایک جزیرہ ہوگا؛ اور سمندر

پنجاب اور ہمارے صوبے (صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ) کے ایک حصّے میں موجیں لے رہا ہوگا۔ ذرا خیال تو کرو کہ سارا دکھن کا ملک اور صوبۂ متوسط، ایک بہت بڑا جزیرہ ہوگا، اور ہمالیہ پہاڑ نے اس کو اس سمندر سے جدا کر رکھا ہوگا، جو پنجاب اور ہمارے صوبے میں ہوگا! اگر تم ان دنوں دہرہ دون جانا چاہتیں تو جہاز میں بیٹھ کر جانا پڑتا!

جب آدمی پیدا ہی ہوا ہوگا، تو اس کو اپنے ارد گرد بہت بڑے بڑے خوفناک جانور ہی جانور نظر آتے ہوں گے، اور وہ ان سے بہت ڈرتا رہتا ہوگا۔ اور آج کل؟ اب تو وہ دنیا کا مالک ہے، اور جانوروں سے جو چاہتا ہے کام لے لیتا ہے۔ بعض جانوروں کو تو انسان پال لیتا ہے؛ جیسے گھوڑے، گائے، بیل، ہاتھی، کتّے، بلّی، وغیرہ؛ بعض جانوروں کو وہ کھا جاتا ہے؛ جیسے بھیڑ، بکری، وغیرہ؛ بعض کو اپنی دل لگی کے لیے شکار کرتا ہے؛ جیسے شیر، چیتے، وغیرہ۔ مگر ان دنوں میں وہ جانوروں کا مالک نہ تھا، بلکہ خود ان سے اپنی جان بچاتا پھرتا ہوگا۔ ہوتے ہوتے انسان نے اپنے آپ کو اور ابھارا اور زیادہ طاقتور بنایا، اتنا کہ وہ جانوروں سے زیادہ مضبوط ہوگیا۔

یہ تو پوچھو کہ وہ کس طرح اتنا مضبوط ہوگیا۔ جسمانی طاقت سے نہیں، کیوں کہ ہاتھی اُس سے بہت طاقت ور اور مضبوط ہے؛ بلکہ اپنی عقل اور دماغی قوت سے اتنا مضبوط ہوگیا ؏

انسانوں کی عقل کے بڑھنے کو ہم شروع زمانے، یعنی اب سے لاکھوں برس پہلے سے، اب تک، برابر دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ حقیقت میں عقل ہی وہ چیز ہے جو انسان کو جانور سے جدا کرتی ہے۔ اگر کسی آدمی میں عقل نہ ہو تو اُس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں ہے ؏

انسان نے سب سے پہلی چیز جو معلوم کی، وہ غالباً آگ تھی۔ اس وقت تو یہ حال ہے کہ ہم ایک دیا سلائی سے آگ جلا لیتے ہیں۔ لیکن دیا سلائی تو بالکل نئی چیز ہے۔ پُرانے زمانے میں یہ کہاں تھی۔ پُرانے زمانے میں دو پتھر کے ٹکڑوں کو آپس میں رگڑ کر، یا ایک دوسرے پر مار کر، آگ بناتے تھے۔ وہ اس طرح کہ اگر ایک پتھر کو دوسرے سے رگڑتے، یا ایک کو دوسرے پر مارتے ہیں تو اُس میں سے چنگاری نکلتی ہے۔ اس چنگاری کو سوکھی گھاس، یا کسی اور سوکھی چیز، پر ڈالتے تھے تو وہ سلگ اُٹھتی تھی، اور اس سے آگ

بنا لیتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگلوں میں ہوا چلتی ہے تو دو پتھّروں، یا کسی اور چیز کے رگڑ کھانے سے، آگ لگ جاتی ہے، اور سارے جنگل میں آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ جانوروں میں اتنی عقل کہاں کہ وہ ایسی باتوں سے کچھ سیکھ لیتے۔ انسان میں عقل تھی؛ اُس نے آگ اور اُس کے فائدے دیکھے اور اُسے اپنے کام میں لائے۔ سردی میں وہ آگ سے تاپے اور ٹھنڈ سے بچے۔ دوسرا کام اُس نے آگ سے یہ لیا کہ اُس سے اپنے دشمنوں، یعنی بڑے بڑے جانوروں، کو ڈرایا اور بھگایا۔ اب جو آگ ایک دفعہ جل گئی تو عورتوں اور مردوں نے یہ چاہا ہوگا کہ یہ بجھنے نہ پائے۔ وہ برابر اُس میں پتے، یا لکڑیاں ڈالتے رہے ہوں گے۔ آہستہ آہستہ انھوں نے یہ بھی معلوم کرلیا ہوگا کہ پتھّر کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے رگڑ کر، یا مار کر، بھی آگ بنائی جاسکتی ہے۔ اُن کے لیے یہ بہت ہی بڑی "معلومات" تھی۔ اس سے اُن کو جانوروں پر طاقت حاصل ہوگئی۔ بس، پھر کیا تھا؛ اب انسان اُس راستے پر پڑ چکا تھا جس نے اُس کو دنیا کا مالک بنا دیا!

(۷)

شروع زمانے کے انسان

میرے پچھلے خط سے تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ آدمی اور جانور میں بڑا فرق عقل ہی کا ہے۔ اسی عقل نے آدمی کو بڑے بڑے جانوروں سے زیادہ ہوشیار اور زیادہ مضبوط بنا دیا ہے۔ اگر آدمی میں عقل نہ ہوتی تو ایک ہی جانور اُس کو مار ڈالتا۔ جیسے جیسے آدمی کی عقل بڑھتی گئی، اُس کی طاقت بھی بڑھتی چلی گئی شروع شروع میں آدمی کے پاس اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ صرف اتنا ہی کر سکتا تھا کہ دُور سے کھڑا ہو کر دشمنوں کی طرف پتھر پھینک دے۔ اب اُس نے پتھر کی کلہاڑیاں، بھالے اور بہت سی اور چیزیں، جن میں پتھر کی باریک سوئیاں بھی تھیں، بنانا شروع کر دیں۔ تم نے یہ پتھر کی چیزیں

لنڈن اور جنیوا کے عجائب خانوں میں دیکھی تھیں ⁂

میں اپنے کسی پچھلے خط میں برف کے زمانے کا کچھ ذکر کرچکا ہوں ۔ یہ زمانہ ہوتے ہوتے گزر گیا ۔ وسط یوروپ اور ایشیا سے برف کے پہاڑ، یا تودے، غائب ہوگئے ۔ اس سے سردی کم ہوگئی اور گرمی بڑھ گئی ۔ گرمی بڑھی تو آدمیوں نے پھیلنا شروع کیا ⁂

اس زمانے میں گھر، یا کوئی اور عمارت، نہیں تھی ۔ لوگ پہاڑوں کی کھوہوں میں رہا کرتے تھے ۔ کھیتی باڑی بھی کسی کو نہ آتی تھی ۔ آدمی پھل، اور اپنے مارے ہوئے جانور کھالیا کرتے تھے ۔ اُن کے پاس نہ روٹی تھی، نہ چاول؛ کیوں کہ وہ بونا جوتنا تو جانتے ہی نہ تھے ۔ وہ کھانا پکانا بھی نہیں جانتے تھے ۔ شاید وہ گوشت کو آگ دکھا کر گرم کرلیتے ہوں ۔ اُن کے پاس پکانے کے برتن بھی نہ تھے؛ نہ دیگچی، نہ ہانڈی، نہ کڑھائی ⁂

ایک بات نہایت عجیب سی معلوم ہوتی ہے؛ وہ یہ کہ یہ وحشی آدمی لکیریں کھینچنا اور تصویریں بنانا جانتے تھے ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نہ اُن کے پاس کاغذ تھا، نہ قلم، نہ دوات، نہ پنسل،

نہ برش؛ اُن کے پاس پتھّر کی سوئیاں اور پتھّر ہی کی نوکیلی چیزیں تھیں۔ ان ہی سے یہ کھوؤں کی دیواروں پر جانوروں کی تصویریں بنالیا کرتے۔ اُن کی بعض تصویریں خاصی اچھی ہیں؛ مگر سب ایک ہی رُخ کی ہیں۔ تم جانتی ہو کہ ایک رُخی تصویر بنانی بہت آسان ہے، اور بچّے ایسی ہی تصویریں بنایا کرتے ہیں۔ پہاڑکی کھوؤں میں اندھیرا رہتا ہوگا۔ اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس کوئی سادہ سا چراغ ضرور ہوتا ہوگا۔

یہ آدمی، جن کا ہم حال بیان کر رہے ہیں، "پُرانے پتھّر کے زمانے کے آدمی" کہلاتے ہیں؛ کیوں کہ اُس زمانے کے آدمی اپنے سارے ہتھیار اور اوزار پتھّر ہی کے بناتے تھے۔ اُن کو دھات سے کام لینا نہیں آتا تھا۔ آج کل جتنی چیزیں ہمارے کام میں آرہی ہیں اُن میں سے بہت زیادہ چیزیں دھات کی ہیں۔ اُن لوگوں کو لوہے، یا کانسی کی خبر ہی نہیں تھی۔ اسی لیے وہ اُس سے کام نہیں لیتے تھے۔ یہ تو تم آپ ہی کہہ سکتی ہو کہ پتھّر سے ہر طرح کا کام لینا بہت زیادہ مشکل ہے۔

"پتھّر کا زمانہ" ختم ہونے سے پہلے دنیا کی آب و ہوا بہت

کچھ بدل چکی تھی اور زمین زیادہ گرم ہوگئی تھی۔ برف کے پہاڑ، یا تودے، قطب شمالی کے سمندر میں پہنچ چکے تھے، اور وسط ایشیا اور یورپ میں بڑے بڑے جنگل پیدا ہوگئے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان ہی جنگلوں میں ایک نئی نسل کے آدمی رہنے لگے۔ "پتھر کے زمانے" کے آدمیوں سے، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، یہ نئی نسل زیادہ ہوشیار تھی۔ پھر بھی یہ لوگ اپنے ہتھیار پتھر ہی کے بناتے رہے، اس لیے یہ لوگ بھی پتھر ہی کے زمانے کے تھے۔ مگر یہ زمانہ پتھر کے زمانے کا آخری زمانہ ہے۔ اسی لیے یہ لوگ "نئے پتھر کے زمانے کے آدمی" کہلاتے ہیں۔

ان "نئے پتھر کے زمانے کے آدمیوں" پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک دنیا میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی۔ ان نئے لوگوں کو عقل نے اور آگے بڑھایا۔ اور جانوروں کے مقابلے میں تو یہ لوگ بہت جلد آگے بڑھے۔ ان نئے لوگوں نے بڑی بات یہ معلوم کی کہ کھیتی کس طرح کرتے ہیں۔ انھوں نے زمین کا جوتنا، بونا اور کھیتوں سے اناج پیدا کرنا سیکھ لیا۔ ان کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی۔ پہلے کی طرح جانوروں کے شکار کرنے

کے مقابلے میں اُن کو اب کھانا کسی قدر آسانی سے ملنے لگا، فرصت بھی زیادہ ملنے لگی۔ اسی فرصت میں وہ آرام بھی کرتے تھے اور سوچتے بھی رہتے تھے۔ اُن کو جتنی زیادہ فرصت ملی اتنی ہی زیادہ اُنھوں نے ترقی کی؛ کیوں کہ اُنھیں سوچنے کا وقت زیادہ ملا۔ اسی فرصت میں اُنھوں نے نئی چیزیں اور نئے طریقے معلوم کیے۔ اُنھوں نے مٹی کے برتن بنانے شروع کیے، اور اُن میں اپنا کھانا پکانے لگے۔ پتّھر کے ہتھیاروں کو زیادہ اچھّا بنانے لگے، اور اُن پر جِلا کرنے لگے۔ اُن کو جانوروں کا سدھانا بھی آگیا، اور اُنھوں نے گائے، کُتّے، بھیڑ، بکری کو اپنے آپ سے ہلا لیا۔ اُن کو کپڑا بھی بُننا آگیا تھا۔

وہ مکانوں، یا جھونپڑیوں میں رہنے لگے تھے۔ اکثر یہ جھونپڑیاں وہ کسی بڑے تالاب، یا جھیل کے بیچ میں بناتے تھے، تاکہ جنگلی جانور یا اور آدمی وہاں پہنچ کر اُن کو آسانی سے نہ ستا سکیں۔ اسی لیے یہ لوگ "جھیلوں کے رہنے والے" کہلاتے ہیں۔

تمھیں تعجب ہوگا کہ ہم کو ان لوگوں کا اتنا حال کیسے معلوم ہوا۔ وہ کوئی کتاب لکھ کر تو نہیں رکھ گئے تھے۔ مگر میں تمھیں پہلا

بتلا چکا ہوں کہ جس کتاب میں ہم ان لوگوں کی کہانیاں پڑھتے ہیں، وہ دنیا کی وہ بڑی کتاب ہے، جو ہر وقت ہمارے سامنے کھُلی رکھی ہے۔ اس کو پڑھنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑی محنت اور بہت صبر کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کتاب کو پڑھنے میں اپنی ساری عمریں گنوا دی ہیں، اور پُرانے زمانے کی بہت سی متحجّر اور اور چیزیں جمع کرلی ہیں۔ بڑے بڑے عجائب خانوں میں یہ متحجّر چیزیں رکھّی ہوئی ہیں۔ وہیں یہ چیزیں اور ان کے علاوہ پتّھر کی چمک دار کلہاڑیاں، بھالے، سُوئیاں اور مٹی کے برتن، جو ان "نئے پتّھر کے زمانے" والوں نے بنائی تھیں، دیکھی جاسکتی ہیں۔ تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے؛ شاید تمھیں یاد نہ رہی ہوں۔ اگر تم ان کو اب دیکھو تو اچھی طرح سمجھ سکوگی۔

مجھے یاد ہے کہ جنیوا کے عجائب خانے میں ان جھیلوں کے رہنے والے لوگوں کے گھروں کا بہت اچھا نمونہ بنا ہوا رکھا ہے۔ جھیل کے اندر لکڑی کی بلیاں گاڑ کر اُن کے اُوپر لکڑیوں کا ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ اس چبوترے کے اُوپر لکڑی ہی کی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں؛ اور اُن تک پہنچنے کے لیے ایک چھوٹا سا پُل

بھی ہے:

یہ "نئے پتھر کے زمانے کے لوگ" جانوروں کی کھالوں سے اپنا تن ڈھانکتے تھے۔ بعض وقت سن کا موٹا سا بُنا ہوا کپڑا بھی پہنتے تھے۔ سن کے بہت اچھے اور لمبے تار نکلتے ہیں، اور وہ کپڑا بُننے میں کام آتے ہیں۔ آج کل تو اس سے باریک کپڑا بھی بنتا ہے؛ لیکن اُن دنوں میں تو سن کا کپڑا بہت موٹا، بھدّا اور کھُردرا ہوتا ہوگا۔

یہ "نئے پتھر کے زمانے کے" لوگ برابر ترقی کرتے گئے۔ اب اُنھوں نے تانبے اور کانسی کے ہتھیار اور اوزار بنانے شروع کر دیے تھے۔ تم جانتی ہو کہ کانسی میں تانبہ اور رانگہ ملا ہوا ہوتا ہے، اور ان دونوں چیزوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ وہ سونا بھی کام میں لاتے تھے، اور ایسے شیخی باز تھے کہ اُس کا زیور بھی بناتے تھے!

یہ لوگ آج سے شاید دس ہزار برس پہلے زندہ ہوں گے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہم صحیح زمانے کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یہ صرف قیاس ہی قیاس ہے۔ تم یہ دیکھوگی کہ اب تک ہم لاکھوں برس کا ذکر کرتے آرہے ہیں؛ مگر اب آہستہ آہستہ ہم اپنے زمانے کے قریب قریب آرہے ہیں۔ "نئے پتھر کے زمانے کے" آدمیوں سے لے کر

آج کل کے آدمیوں تک کی جو زنجیر ہے اُس کی کوئی کڑی غائب نہیں ہے ؛ نہ ان دونوں کے درمیان کوئی یکایک تبدیلی ہوئی ہے ؛ پھر بھی اُن میں اور ہم میں بڑا فرق ہے ۔ جو تبدیلی ہوئی ہے وہ قدرت کے اور کاموں کی طرح ایسی آہستہ ہوئی ہے کہ اُس کا معلوم کرلینا سخت مشکل ہے ۔ بہت سی نسلیں پیدا ہوئیں، بڑھیں، اپنے اپنے طریقے پر اُنھوں نے کام کیا اور اپنی زندگی پوری کرکے ختم ہوگئیں ۔ دنیا کے الگ الگ حصوں کی آب و ہوا الگ الگ تھی، اس لیے لوگوں نے اپنے آپ کو اُس آب و ہوا کے موافق بنا لیا، اور بہت کچھ بدل گئے ۔ اس کے متعلق میں تمھیں پھر کبھی کچھ لکھوں گا ۔

آج کے خط میں میں ایک اور بات تمھیں بتلانا چاہتا ہوں ۔ "پُرانا پتھر کا زمانہ" جب ختم ہونے کو آیا تو انسانوں پر ایک نئی آفت آئی ۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اُس وقت بحر روم نہیں تھا ۔ اُس کی جگہ دو جھیلیں تھیں، اور اُن ہی میں آدمی رہتے تھے ۔ یکایک جبل طارق (جبرالٹر) کے قریب کی زمین، جو افریقہ اور یوروپ کے درمیان تھی، بہہ گئی، اور بحر اوقیانوس کا پانی اُس گہری زمین کی طرف

آنا شروع ہوا جہاں اب بحر روم ہے ۔ یہ پانی برابر آتا اور اُس زمین کو بھرتا رہا ۔ بہت سے مرد اور عورت، جو اس زمین پر، اور اس کے ارد گرد اور جھیلوں کی جھونپڑیوں میں رہتے تھے ڈوب گئے ؛ اُن کو کہیں اور بھاگ جانے کا موقعہ ہی نہیں ملا ۔ وہاں سیکڑوں میل تک پانی ہی پانی نظر آتا تھا ۔ بحر اوقیانوس کا پانی برابر آتا رہا، اور اُس نے تمام زمین کو بھر دیا ؛ یہاں تک کہ وہ سمندر پیدا ہوگیا، جس کو اب ہم بحرروم کہتے ہیں ۔

شاید تم نے اس طوفان کا حال کسی سے سُنا ہوگا، یا کہیں پڑھا ہوگا ۔ توریت، انجیل اور قرآن شریف میں اس طوفان کا ذکر ہے اور ہماری سنسکرت کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اتنا بڑا طوفان یہ ہو کہ پانی نے اُس زمین کی طرف رُخ کرلیا ہو جہاں آج کل بحرروم ہے ۔ یہ اتنی بڑی آفت تھی کہ بہت ہی تھوڑے سے آدمی اس مصیبت سے بچ سکے ہوں گے ؛ اور جو لوگ بچے اُنھوں نے اپنے بچوں کو اس کا حال سُنایا ہوگا، اور انھوں نے

اس کو یاد رکھا ہوگا اور اپنی اولاد کو بتلایا ہوگا۔ اس طرح یہ مصیبت بھری کہانی ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچی ٭

(۸)

مختلف نسلیں کیسے بنیں؟

میں نے اپنے پچھلے خط میں "نئے پتھر کے زمانے" کے لوگوں کا حال لکھا تھا کہ وہ جھیلوں میں جھونپڑے بناکر رہتے تھے۔ اُنھوں نے بہت سی باتوں میں بہت بڑی ترقی کرلی تھی۔ اُنھوں نے کھیتی باڑی کرنا معلوم کرلیا تھا، اُن کو کھانا پکانا اور جانوروں کو اپنے کام کے لیے سدھانا بھی آگیا تھا۔ یہ اب سے کئی ہزار برس پہلے کی بات ہے۔ ہم کو اُن کی اور کوئی بات معلوم نہیں۔ دنیا میں جتنی نسلیں اس وقت موجود ہیں، غالبًا اُن میں سے سب سے زیادہ ان ہی پتھر کے زمانے والے آدمیوں کی اولاد ہیں۔ تم جانتی ہو کہ اس وقت دنیا میں سفید رنگ کے آدمیوں کی نسل، زرد رنگ کے آدمیوں کی نسل، بھورے آدمیوں کی اور کالے آدمیوں کی نسل موجود

ہیں۔ لیکن سچّی بات یہ ہے کہ آدمیوں کی ان چاروں نسلوں کو الگ الگ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ نسلیں مل جُل گئی ہیں، اور اُن میں سے بہت سوں کے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اصل میں کس نسل میں سے ہیں۔ سائنس جاننے والے لوگ پُرانے آدمیوں کی کھوپریاں ناپ کر اُن کی نسلوں کا پتہ لگاتے ہیں۔ نسلوں کے پتہ لگانے کے اور طریقے بھی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ الگ الگ نسلیں کہاں سے پیدا ہوگئیں؟ اگر یہ چاروں نسلیں ایک ہی کی اولاد ہیں، تو یہ ایک دوسری سے اتنی الگ الگ کیوں ہیں؟ تم جانتی ہو کہ انگلستان کے رہنے والے اور افریقہ کے حبشی میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک گورا ہے، تو دوسرا کالا۔ انگلستان والے کے بال بُھورے اور لمبے ہیں؛ حبشی کے بال کالے، چھوٹے اور گھونگریالے ہیں۔ چین کا آدمی ان دونوں سے الگ ہے۔ اب یہ بتلانا مشکل ہے کہ یہ فرق کیوں ہوگیا۔ لیکن ہمیں اس فرق کا کچھ نہ کچھ سبب تو معلوم ہے۔ میں پہلے ہی تمھیں بتلا چکا ہوں کہ جانور آہستہ آہستہ اس لیے بدل جاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اپنی آس پاس کی چیزوں کے موافق کرلیتے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انگلستان والے اور حبشی الگ الگ قسم کے آدمیوں کی اولاد ہوں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دادا، پر دادا، کسی نہ کسی پُشت (پیڑھی) میں ایک ہی ہوں گے۔ ان میں جو یہ فرق پڑگیا اس کا ایک سبب یہ ہوسکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے آس پاس کے موافق اپنے آپ کو بنالیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض جانوروں کی طرح، کچھ لوگوں پر، بہ نسبت اوروں کے، آس پاس کا اثر جلدی پڑگیا ہو۔

یوں وہ آدمی جو ٹھنڈے ملک کے برفوں میں رہتا ہے، وہ سردی کو زیادہ برداشت کرسکتا ہے۔ ایک اسکیموہی[1] ہیں کہ اب بھی شمالی ملکوں کے برفوں میں رہتے ہیں، اور بڑی سی بڑی سردی کو برداشت کرلیتے ہیں۔ اگر کسی گرم ملک میں، جیسا ہمارا ہندوستان ہے، اُن کو لے آؤ تو وہ غالباً مرجائیں گے۔ وہ باقی دنیا سے بالکل الگ تھلگ پڑے ہوئے ہیں اور بڑی تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے وہ باتیں نہیں سیکھیں، جو دنیا کے اور آدمیوں نے سیکھ لی ہیں۔ افریقہ کے لوگ، یا وہ آدمی جو خطِ اِستوا کے قریب رہتے ہیں، اور

---

[1] یہ بہت ہی پُرانے طریقے پر رہنے والے لوگ ہیں۔ امریکہ کے بعض حصّوں میں ملتے ہیں۔

جہاں سخت گرمی ہوتی ہے، اُن سب کو گرمی برداشت کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ سورج کی گرمی اُن کے بدن کے رنگ کو کالا کر دیتی ہے۔ تم جانتی ہو کہ اگر کوئی شخص کسی سمندر کے کنارے جاکر، یا کہیں اور رہ کر، دھوپ میں رہے، تو اُس کا رنگ جھلس جائے گا اور وہ سانولے رنگ کا ہو جائے گا۔ اگر کوئی آدمی چند ہفتے دھوپ میں رہ کر سانولا ہو جاتا ہے، تو اُس شخص کا کیا حال ہوگا، جس کو ہمیشہ دھوپ ہی میں رہنا پڑے؟ اگر کسی کی کئی پیڑھیاں کسی گرم ملک میں رہی ہوں، تو وہ سانولا ہوتے ہوتے بالکل کالا ہو جائے گا۔ تم دیکھتی ہو کہ ایک کسان دوپہر کی سخت دھوپ میں اپنے کھیت میں کام کرتا ہے؛ وہ اتنا غریب ہوتا ہے کہ اُس کے پاس اتنا بھی نہیں کہ بہت سے کپڑے پہنے، اور اپنے بدن کو کپڑے پہن کر دھوپ سے بچائے رہے۔ وہ ننگے بدن دھوپ میں رہتا ہے۔ ساری دھوپ اُسی کے بدن پر پڑتی ہے۔ وہ تمام عمر اسی حالت میں کام کرتا رہتا ہے؛ اِس لیے اُس کا رنگ کالا ہو ہی جائے گا۔

اسی طرح یہ معلوم ہوگا کہ لوگوں کے بدنوں کا رنگ اُس

ملک، یا جگہ کی آب و ہوا کے موافق ہوتا ہے، جہاں وہ رہتے ہیں،
بدن سے رنگ کو، نسل کی اچھائی، یا برائی سے کوئی واسطہ
نہیں ہے۔ اگر کوئی گورے رنگ کا آدمی کسی گرم ملک میں رہے
تو کالا ہو جائے گا؛ ہاں اگر وہ اپنے آپ کو خس کی ٹٹی لگا کر
اور پنکھا چلا کر گرمی سے بچائے اور دھوپ میں نہ نکلے تو شاید
کالا نہ ہو۔ تمھیں معلوم ہے کہ ہم کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ دو سو
برس ہوئے کہ ہمارے دادا، پر دادا کشمیر میں رہتے تھے۔ تم کشمیر
جاؤ تو دیکھو گی کہ ہر شخص، یہاں تک کہ کسان اور مزدور بھی بہت گورے
ہوتے ہیں۔ اس کا یہ سبب ہے کہ کشمیر بہت ٹھنڈا ملک ہے۔
جب کشمیر کے رہنے والے ہندوستان کے کسی ایسے حصے میں آجاتے
ہیں جو زیادہ گرم ہے، تو وہ تھوڑی سی پیڑھیوں کے بعد سانولے
ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بہت سے کشمیری دوست خاصے گورے
ہیں، اور بہت سے خوب کالے۔ کوئی کشمیری خاندان جتنے دن
زیادہ ہندوستان میں رہے گا، اتنا ہی وہ سانولا ہوتا چلا جائے گا۔

یوں بدن کے رنگ کا کالا، یا گورا ہونا اس ملک کی آب و ہوا
کے سبب سے ہے، اور کچھ نہیں۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی گورا

آدمی کسی گرم ملک میں رہتا ہو، اور باہر دھوپ میں کام نہ کرتا ہو، اور اتنا امیر ہو کہ ٹھنڈے مکانوں میں رہتا ہو اور ہر طرح اپنے بدن کی دھوپ سے حفاظت کرتا ہو، تو شاید اُس کا رنگ کالا نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت امیر خاندان اس طرح رہ کر اپنے اوپر آب و ہوا کا بہت اثر نہ ہونے دے۔ لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ آدمی خود کچھ کام نہ کرے، اور دوسروں کا محتاج ہو جائے تو یہ کون سی غرور کی بات ہے!

ہندوستان ہی میں تم یہ دیکھتی ہو کہ شمالی حصّے، یعنی کشمیر اور پنجاب میں عام طور پر لوگوں کا رنگ گورا ہوتا ہے۔ جوں جوں دکھن کی طرف جاؤ، تو لوگوں کا رنگ کالا ملے گا۔ مدراس اور سیلون کو تم دیکھ ہی چکی ہو کہ وہاں کے رہنے والے کالے ہی ہیں۔ تم یہی کہوگی کہ اس کا سبب صرف آب و ہوا ہے؛ کیوں کہ دکھن میں جتنا کوئی بڑھتا جائے گا، وہ خط اِستوا کے قریب ہوتا جائے گا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کے رنگوں میں جو فرق ہے اُس کا اصلی سبب یہی آب و ہوا ہے۔ میں اپنے کسی خط میں یہ بتلاؤں گا کہ یہ فرق اس سبب سے

سے بھی ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں آئے وہ الگ الگ نسل کے تھے۔ پرانے زمانے میں بہت سی نسلوں کے لوگ ہندوستان میں آئے تھے۔ مدّتوں انھوں نے یہ کوشش کی کہ وہ اوروں سے نہ ملیں، مگر یہ بات نہیں چلی، اور وہ اور نسلوں سے مِل جُل گئے۔ اب یہ بتلانا بہت مشکل ہے کہ کون لوگ ایسے ہیں جن میں کسی اور نسل کا میل نہیں۔

(۹)

انسان کی نسلیں اور زبانیں

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کے کس حصے میں انسان سب سے پہلے پیدا ہوئے؛ نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ سب سے پہلے انسان کہاں آباد ہوئے۔ شاید یہ ہوا ہے کہ انسان ایک ہی وقت میں دنیا کے کئی حصوں میں پیدا ہوا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب برف کے بڑے پہاڑ، یا تودے، "برف کے زمانے" میں پگھلے اور شمال کی طرف چلے گئے، تو انسان زیادہ گرم جگہوں میں رہتا ہوگا۔ جب برف کے تودے غائب ہوئے تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے میدان بن گئے ہوں گے؛ جیسے آج کل سائبیریا[1] میں بغیر جھاڑی بوٹی کے میدان کے میدان پڑے ہوئے ہیں۔ ہوتے ہوتے

---

[1] سائبیریا روس کی عمل داری میں ایک بہت بڑا ملک ہے۔

ان بیابانوں اور میدانوں میں گھاس اُگ آئی ہوگی، اور آدمی وہیں گھومتے رہے ہوں گے، کیوں کہ ان کو اپنے جانوروں کے واسطے گھاس کی ضرورت رہی ہوگی۔ وہ لوگ، جن کے رہنے کی کوئی جگہ مقرر نہیں ہوتی، اور اپنے جانوروں کو لیے پھرتے ہیں، تاکہ اُن کو چرنے کی جگہ مل جائے، "چرواہے" یا "خانہ بدوش[1]" کہلاتے ہیں۔ اب بھی ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں، ایسے خانہ بدوش لوگ پائے جاتے ہیں ؛

معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل لوگ بڑے بڑے دریاؤں کے قریب بسے ہوں گے؛ کیوں کہ یہاں کی زمین ایسی اچھی ہوتی ہے کہ آسانی کے ساتھ کھیتی باڑی ہوسکتی ہے۔ پانی بہت ملتا ہی ہے اس لیے اناج خوب پیدا ہوسکتا ہے۔ ہم خیال کرسکتے ہیں کہ ہندوستان میں لوگ ہندوستان کے بڑے بڑے دریا (جیسے دریاء سندھ اور گنگا) کے قریب بسے ہوں گے؛ اسی طرح عراق[2] میں، عرب دجلہ اور فرات

---

[1] خانہ بدوش کے معنی ہیں "گھر کو کندھے پر لیے پھرنے والا"۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بال بچوں اور گھر کے سامان کو اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں اور ایک جگہ جم کر نہیں رہتے ؛

[2] دجلہ اور فرات کے درمیان کا ملک، جس کے ایک طرف عرب ہے، اور دوسری طرف ایران، بصرہ، بغداد، وغیرہ اس ملک میں واقع ہیں ؛

دریاؤں کے قریب؛ مصر میں دریاء نیل کے قریب؛ یوں ہی چین میں وہاں کے کسی بڑے دریا کے قریب بسے ہوں گے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے ہندوستان میں سب سے پہلی نسل دراوڑوں کی تھی۔ تمھیں آگے چل کر معلوم ہوگا کہ پھر ہندوستان میں آریا اور منگول آئے۔ دکھن میں جو لوگ رہتے ہیں، اُن میں سے بہت زیادہ ایسے ہیں، جو دراوڑوں کی اولاد ہیں۔ شمالی ہندوستان کے لوگوں سے یہ لوگ زیادہ کالے ہوتے ہیں، شاید اس وجہ سے کہ وہ ہندوستان میں زیادہ دنوں سے رہتے ہیں۔ دراوڑ بہت ترقی کیے ہوئے لوگ تھے۔ اُن کی زبان الگ تھی، اور وہ دوسرے ملکوں کے آدمیوں کے ساتھ خوب تجارت کرتے تھے۔

مگر میں بہت جلد جلد آگے بڑھا جا رہا ہوں۔

اسی پُرانے زمانے میں ایک اور قوم، یا نسل، ایشیا کے بیچ اور مغرب میں، اور یوروپ کے مشرق میں، بڑھ رہی تھی۔ یہ آریوں کی نسل تھی۔ ان کی زبان سنسکرت تھی۔ "آریا" سنسکرت زبان کا لفظ ہے، اور اس کے معنی "شریف آدمی" یا "اونچے خاندان والے"

ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو شریف اور اونچی ذات کے سمجھتے تھے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ویسے ہی شیخی باز تھے، جیسے آج کل کے لوگ ہیں۔ تم جانتی ہو کہ اس وقت ہر ایک انگریز اپنے آپ کو سب سے بڑا آدمی سمجھتا ہے؛ یہی حال فرانس والوں کا ہے کہ وہ اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے؛ جرمنی والے، امریکہ والے اور دوسرے ملکوں کے آدمیوں کا بھی یہی حال ہے۔

آریا، شمالی ایشیا اور یوروپ میں، جہاں گھاس پات بہت تھی، گھومتے پھرتے تھے۔ اب یہ ہوا کہ ان میں آدمی بہت بڑھ گئے، آب و ہوا بھی بدل کر کچھ گرم ہوگئی، اور وہاں گھاس پات بھی کم ہوگئی۔ وہ اتنے زیادہ ہوگئے تھے کہ اب اُن کو کھانے کو کم ملنے لگا۔ اس لیے اُن کو کھانے کی تلاش میں اور ملکوں کو جانا پڑا۔ ایک طرف تو وہ سارے یوروپ میں پھیل گئے، دوسری طرف وہ ہندوستان، ایران اور عراقِ عرب میں پہنچ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ یوروپ، شمالی ہندوستان، ایران اور عراقِ عرب میں آریوں کی اولاد ملتی ہے۔ وہ اس وقت صورت، شکل، وغیرہ میں ایک دوسرے سے نہیں ملتے، مگر ہیں سب ایک ہی نسل سے۔ بہت زمانہ ہوا کہ آریا اس طرح

پھیلے۔ اُس کے بعد یہ بہت کچھ بدل گئے، اور اُن کا میل دوسری نسلوں سے ہوگیا۔ لیکن آریوں کی اولاد دُور دُور پھیلی ہوئی ہے۔

دوسری بڑی نسل منگول کی ہے۔ یہ نسل سارے مشرقی ایشیا میں پھیلی۔ چین، جاپان، تبّت، سیام اور برہما میں یہی نسل پائی جاتی ہے۔ اس کو بعض وقت "زرد رنگ کی نسل" بھی کہتے ہیں۔ ان کے گلّے کی ہڈی اونچی اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہوتی ہیں۔

افریقہ اور بعض اور جگہ کے آدمی حبشی ہیں؛ وہ نہ آریا ہیں نہ منگول۔ اُن کا رنگ بہت کالا ہوتا ہے۔

عرب اور فلسطین کے آدمی ایک اور ہی نسل کے ہیں۔ وہ عرب اور عبرانی کہلاتے ہیں۔

ہزاروں برس کے عرصے میں ان نسلوں کے لوگ ٹوٹ ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے قبیلے، یا برادریاں، بن گئیں، اور ایک کا دوسرے سے میل ہوگیا۔ لیکن اس کے متعلق ہمیں اس وقت کچھ زیادہ ذکر نہیں کرنا ہے۔ بہت زیادہ ضروری اور مزے دار بات تو یہ ہے کہ یہ برادریاں اپنی اپنی زبانوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اصل میں ہر نسل کی الگ الگ زبان تھی؛ مگر بڑے عرصے میں بہت سی زبانیں

اُن سے نکل کر الگ ہی زبانیں، یا بولیاں، بن گئیں۔ لیکن ان سب زبانوں کی ماں ایک ہی ہے، اور یہ سب ایک ہی کُنبے کی ہیں۔ ہر زبان میں بہت سے لفظ ایسے ملتے ہیں جو اور بولیوں میں بھی موجود ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے وہ سب بولیاں ایک ہی کُنبے کی ہیں ::

جب آریا، ایشیا اور یوروپ بھر میں پھیل گئے تو وہ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو گئے۔ اُس زمانے میں نہ ریل تھی، نہ ڈاک، نہ تار، نہ لکھی ہوئی کتابیں، کہ ایک کو دُوسرے کا حال معلوم ہوتا رہتا۔ اس لیے آریوں کے ہر قبیلے، یا برادری نے وُہی بولی بولنی شروع کی، جو سب بولتے تھے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ بولنے کا بنا لیا۔ اس سے سیکڑوں برس کا زمانہ گذرنے پر سب کی بولیاں اس طرح الگ الگ ہو گئیں کہ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ ایک ہی ماں کی اولاد، یا ایک ہی کُنبے کی، گویا، چچیری بہنیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اتنی کثرت سے زبانیں بولی جاتی ہیں ::

اگر ہم زبانوں پر اچھی طرح غور کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ

زبانیں تو بہت سی ہیں، مگر اُن کی مائیں بہت ہی کم ہیں۔ یوں سمجھو کہ آریا جہاں جہاں گئے اپنی زبان اپنے ساتھ لیتے گئے۔ بولیاں بہت سی بن گئیں، مگر وہ سب ہیں ایک ہی کُنبے کی۔ سنسکرت، لاطینی، یونانی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، اطالوی، اور کئی اور زبانیں چچیری بہنیں ہیں، اور آریہ کُنبے کی ہیں۔ ہمارے ہندوستان کی بہت سی بولیاں، جیسے ہندی، اُردو، بنگالی، مرہٹی اور گجراتی بولیاں، سنسکرت کی بیٹیاں ہیں اور آریا کُنبے ہی کی ہیں؛

زبانوں کا ایک بڑا کُنبہ چینی زبان کا ہے۔ اس میں چین، برہما، تبت اور سیام کی زبانیں شامل ہیں؛

ایک اور کُنبہ سماطیقی زبانوں کا ہے۔ اس میں عربی اور عبرانی زبانیں شامل ہیں؛

بعض زبانیں، جیسے ترکی اور جاپانی ہیں۔ ان تینوں کُنبوں میں سے کسی میں نہیں آتیں۔ دکھن کی بعض زبانیں، جیسے تامل، تلنگی، ملایالم اور کنڑی بھی ان کُنبوں کی نہیں ہیں، بلکہ دراوڑی کُنبے کی ہیں۔ یہ چاروں بہت ہی پُرانی زبانیں ہیں؛

(۱۰)

زبانوں کا آپس میں تعلق

میں پچھلے خط میں تمھیں بتلا چکا ہوں کہ آریا بہت سے مُلکوں میں پھیل گئے؛ اور اپنی زبان، جو کچھ بھی تھی، جہاں کہیں بھی گئے، اپنے ساتھ لیتے گئے۔ لیکن مختلف آب و ہواؤں اور مختلف حالتوں نے آریوں کی ذاتوں میں فرق ڈال دیا۔ ہر ایک گروہ اپنی اپنی طرح بدلتا چلا گیا، اور ہر ایک میں الگ الگ عادتیں اور الگ الگ رسمیں بنتی چلی گئیں۔ وہ الگ الگ مُلکوں میں رہتے تھے، اس لیے ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے؛ کیوں کہ اُس زمانے میں سفر کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ ہر گروہ دوسرے گروہ سے بالکل جُدا ہو گیا۔ اگر کسی مُلک والے نے کوئی نئی بات سیکھی تو وہ دوسرے مُلک والے کو نہیں بتلا سکا؛ اس لیے سب

اپنی اپنی طرح بدلتے چلے گئے۔ تھوڑی سی پیڑھیوں کے بعد آریوں کے ایک کُنبے کے کئی کُنبے بن گئے؛ یہاں تک وہ یہ بھی بھول گئے کہ ہم ایک ہی بڑے کُنبے کے ہیں۔ اُن کی ایک زبان کے کئی ٹکڑے ہوگئے، اور اُن کے آپس میں بڑا فرق پڑگیا۔

اگرچہ اُن کے آپس میں اتنا فرق ہے، مگر بہت سے لفظ ایسے ہیں کہ بہت سے ملکوں کی زبانوں میں ایک ہی سے ہیں۔ آج ہزاروں برس کے بعد اس وقت بھی، ہم کو مختلف زبانوں میں ایسے لفظ ملتے ہیں۔ وہ لفظ یہ بتلاتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہ زبانیں ایک ہی رہی ہوں گی۔ تم جانتی ہو کہ فرانسیسی اور انگریزی میں بہت سے لفظ ایک ہی جیسے ہیں، آؤ دو لفظوں پہ غور کریں، جو سب بولتے ہیں۔ یہ دو لفظ "باپ" اور "ماں" ہیں۔ تم جانتی ہو کہ سنسکرت اور ہندی میں باپ کو "پِتا" اور ماں کو "ماتا" کہتے ہیں۔ لاطینی میں باپ کو "پیٹر" اور ماں کو "میٹر" کہتے ہیں۔ یونانی میں "پاٹر" اور "میٹر" جرمنی میں "فاٹر" اور "مٹر" فرانسیسی میں "پیئری" اور "میری" فارسی میں "پدر" اور "مادر" کہتے ہیں۔ اسی طرح اور زبانوں کا حال ہے۔ ان لفظوں کی آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریب

قریب ایک ہی ہیں۔ ان میں وُہی بات ہے جیسے ایک کُنبے کے آدمیوں کی صورتوں میں ہوتی ہے، کہ ایک دوسرے سے ملتی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک زبان نے دوسری زبان سے کوئی لفظ، گویا، مانگ کر لے لیا ہو۔ اسی طرح ہندی اور اُردو نے بہت سے لفظ انگریزی سے لے لیے ہیں، اور انگریزی نے بہت سے لفظ ہندی اور اُردو سے لے لیے ہیں۔ لیکن "فادر" (باپ) اور "مدر" (ماں) مانگے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ نئے لفظ بھی نہیں ہوسکتے۔ بالکل شروع ہی شروع میں جب لوگوں نے ایک دوسرے سے بولنا ہی شروع کیا ہے تو ماں، باپ تو ضرور رہے ہوں گے، اور اُن کے لیے ناموں کی ضرور ضرورت رہی ہوگی۔ اسی سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ کسی اور زبان سے مانگے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ لفظ ایک ہی دادا کی اولاد، یا ایک ہی کُنبے کے ہوں گے۔ اسی سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ جو لوگ دُور دُور، الگ الگ، ملکوں میں رہتے تھے، اور الگ الگ زبانیں بولتے تھے، وہ کسی زمانے میں ایک ہی بڑے کُنبے کے لوگ ہوں گے۔

اگر زبانوں پر ذرا غور کرو تو تمھیں معلوم ہو کہ زبانوں کے

اوپر غور کرنا بڑی ہی مزے دار بات ہے؛ اور اُس سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی تین یا چار زبانیں جانتا ہے تو اُسے اور زبانیں سیکھ لینا کچھ مشکل نہیں ہے ⁂

اس سے تم یہ بھی معلوم کروگی کہ جو لوگ کہ الگ الگ مُلکوں میں، دُور دُور فاصلے پر، رہتے ہیں، وہ ایک زمانے میں ایک ہی کُنبے کے ہوں گے۔ جب ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو بہت کچھ بدل گئے۔ اتنے بدلے کہ ہم اپنے پُرانے رشتے بھی بھُول گئے۔ ہر ایک ملک کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہی سب سے اچھّے اور سب سے ہوشیار ہیں، اور دوسرے ہمارے برابر نہیں! ایک انگریز یہ سمجھتا ہے کہ وہ اور اُس کا مُلک سب سے اچھا ہے؛ فرانسیسی کو اپنے فرانس اور فرانس کی چیزوں پر بڑا گھمنڈ ہے؛ جرمنی اور اٹلی والے اپنے مُلک کو نہ معلوم کیا کیا سمجھتے ہیں؛ ہندوستانی یہ سمجھتا ہے کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان دنیا بھر کے مُلکوں سے اچھا ہے۔ یہ سب دھوکا ہی دھوکا ہے کہ ہر شخص خود اپنے آپ اور اپنے مُلک کو اچھا سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا، جس میں اچھّی باتیں اور بُری باتیں نہ ہوں۔ اسی طرح

کوئی ملک ایسا نہیں جن میں اچھائی اور برائی نہ ہو۔ ہم کو چاہیے کہ اچھی باتیں، جہاں کہیں بھی ملیں، لے لیں، اور بری باتیں جہاں کہیں بھی پائیں ان کو دور کر دیں۔ ہم کو تو سب سے زیادہ اپنے ملک، ہندوستان، سے مطلب ہے۔ بدقسمتی سے آج ہندوستان کا برا حال ہے، اور یہاں کے رہنے والے بہت غریب اور لاچار ہیں۔ اُن کو زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔ ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ ہم ہندوستان والوں کو کس طرح خوش حال کریں۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے طور طریق اور رسم و رواج میں کیا اچھائی ہے، اور اُس کو اپنے یہاں قائم رکھیں، اور جو برائی ہو اُس کو نکال کر پھینک دیں۔ اگر دوسرے ملکوں میں کوئی اچھائی ہو تو اُس کو ضرور لے لینا چاہیے ؛

ہم ہندوستانی ہیں، ہم کو ہندوستان ہی میں رہنا ہے؛ اِس لیے ہم کو اُس کی بھلائی کے واسطے کام کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم دنیا کے ایک بہت بڑے کنبے کے آدمی ہیں، اور جو لوگ دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں وہ ہمارے چچیرے بھائی ہیں۔ اگر ساری دنیا کے آدمی

خوش اور اچھی حالت میں ہوں، تو ہمارے واسطے کتنی خوشی کی بات ہے۔ اسی لیے ہم کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ دنیا کو کو ایسی جگہ بنا دیں جہاں رہنے سے خوشی اور ہر طرح کا آرام ہو۔

(۱۱)

تہذیب کیا چیز ہے؟

آج کے خط میں میں تمھیں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ شروع زمانے کی تہذیب کیا تھی۔ لیکن پہلے یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ تہذیب ہے کیا چیز؟ کسی لغت کی کتاب میں دیکھو تو اس کے بہت سے معنی لکھے ہوں گے۔ لیکن ہمارے مطلب کے لیے تہذیب کے یہ معنی ہیں کہ "وحشی آدمیوں کی عادتیں چھوڑنی، اور اچھی عادتیں" اور اچھی باتیں پکڑنی"۔ جس آدمی نے اچھی باتیں پکڑلی ہوں وہ "مہذّب" کہلاتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک آدمی کے مہذّب ہونے سے تمام قوم مہذّب نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ساری قوم، یا بہت سے آدمی، مہذّب نہ ہوجائیں، وہ قوم مہذّب نہیں کہلائے گی۔ اگر بہت سے آدمیوں کی عادتیں اور باتیں جنگلی آدمیوں کی سی ہوں، تو وہ لوگ وحشی ہی

کہلائیں گے۔ بس تہذیب کو اس کے برخلاف سمجھ لو؛ یعنی جن میں بھلے آدمیوں کی سی عادتیں ہوں گی وہ مہذب کہلائے گا۔ جس کسی میں جتنی وحشیوں کی سی عادتیں اور باتیں ہوں گی، اتنا ہی وہ غیر مہذب کہلائے گا۔

لیکن ہم یہ کیسے معلوم کریں کہ کون سا آدمی، یا کون سی قوم وحشی ہے اور کون مہذب؟ یورپ کے بہت سے آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت مہذب ہیں، اور ایشیا کے رہنے والے بالکل وحشی ہیں۔ کیا یورپ کے آدمی اس واسطے مہذب ہیں کہ وہ زیادہ کپڑے پہنتے ہیں، اور ایشیا اور افریقہ والے کم کپڑے پہنتے ہیں؟ مگر کپڑوں کا زیادہ یا کم پہننا تو ملک کی آب و ہوا کے سبب سے ہوتا ہے۔ سرد ملکوں میں لوگوں کو زیادہ کپڑے پہننے کی ضرورت ہوتی ہے، اور گرم ملک میں کم۔ اگر زیادہ کپڑے پہننا تہذیب کی نشانی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ کیا تہذیب کی یہ نشانی ہے کہ جس آدمی کے ہاتھ میں بندوق ہے وہ مہذب ہے، اور جس آدمی کے پاس بندوق نہیں وہ مہذب نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ جس کے ہاتھ میں بندوق ہوگی وہ زور والا ہوگا، اور جس کے ہاتھ میں نہیں ہوگی وہ کم زور ہوگا۔ کم زور آدمی کو زور والے آدمی سے

یہ کہنے کی ہمّت نہیں پڑسکتی کہ "تم مُہذّب نہیں ہو" اگر وہ ایسا کہے تو زور والا آدمی اُس کو گولی مار دے گا ؛

تم جانتی ہو کہ تھوڑے سے برس گذرے، دنیا میں ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی تھی ۔ دنیا کے بہت سے مُلک اُس میں شامل تھے ۔ ہر ملک یہ چاہتا تھا کہ دوسرے ملک کے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالے ۔ انگریز یہ کوشش کر رہے تھے کہ جرمن والوں کو مار ڈالیں، اور جرمن والے انگریزوں کو مار ڈالنا چاہتے تھے ۔ لاکھوں آدمی اس لڑائی میں مارے گئے، اور ہزاروں آدمی زخمی ہوگئے، اور اُن کے ہاتھ، پیر، آنکھ، جاتی رہیں ۔ فرانس اور اور ملکوں میں تم نے ایسے بہت سے زخمی آدمی دیکھے ہوں گے ۔ پیرس میں جو ریلیں زمین کے اندر اندر چلتی ہیں اُس میں ان زخمیوں، اور ہاتھ پیر کھوئے ہوئے لوگوں کے لیے الگ جگہ بنی ہوئی تھی ۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اپنے ہی بھائیوں کو مار ڈالنا، یا زخمی کردینا کوئی بڑی عقل یا تہذیب کی بات تھی ؟ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑنے لگیں، اور پولیس کا کوئی آدمی آکر بیچ بچاؤ کرا دے، تو ہر شخص یہ کہے گا کہ یہ دونوں بڑے بیوقوف ہیں ۔ لیکن ذرا خیال تو کرو کہ وہ ملک کتنے بڑے

بے وقوف ہوں گے جو ایک دوسرے سے لڑتے ہیں، اور ہزاروں، لاکھوں آدمیوں کو مار ڈالتے ہیں! ان میں اور اُن جنگلیوں میں کیا فرق ہے، جو جنگل میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ اگر یہ دو آدمی وحشی کہلائیں گے تو تم اُن دو ملکوں کو کیا کہوگی جو اس طرح لڑتے ہیں؟

اگر تم اس بات پر اس طرح غور کرو تو تم یہی کہوگی کہ جو ملک انگلستان، جرمنی، فرانس، اٹلی، وغیرہ اس بڑی لڑائی میں لڑے اور لاکھوں آدمیوں کو مار ڈالا، وہ ہرگز مہذب نہیں ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ ان ملکوں اور ملک والوں میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔ بےشک ان ملکوں اور ملک والوں میں بہت سی اچھائیاں ہیں، اور وہاں بہت سے اچھے آدمی رہتے ہیں۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ سمجھنا کچھ آسان نہیں ہے کہ تہذیب کے کیا معنی ہیں، تو تم سچی ہوگی۔ یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں، عمدہ عمدہ تصویریں، اچھی اچھی کتابیں، خوبصورت خوبصورت چیزیں، بےشک تہذیب کی نشانیاں ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ تہذیب کی نشانی یہ ہے کہ ایسے لوگ نہ ہوں کہ اپنا ہی مطلب نکالیں، اور دوسروں کی آرام یا تکلیف سے غرض نہ رکھیں۔ ایسے

ایسے آدمی مہذّب کہلائیں گے، جو اوروں کے ساتھ مل کر سب کو فائدہ پہنچانے کا کام کریں۔ دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا اس سے اچھا ہے کہ کوئی آدمی اکیلا کام کرے۔ تمام آدمیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے اوروں کے ساتھ مل کر کام کرنا سب سے اچھا ہے ؂

(۱۴)

برادریوں کا بننا

میں نے اپنے پچھلے خطوں میں یہ بتلایا ہے کہ جب انسان اس زمین پر پیدا ہوا، تو جانوروں میں اور اس میں کوئی بڑا فرق نہ تھا۔ ہزاروں برس میں، آہستہ آہستہ اس نے ترقی کی اور پہلے سے کچھ اچھا ہوگیا۔ پہلے تو وہ خود ہی، اکیلا، شکار کرتا ہوگا؛ جیسے کہ اور جانور آج بھی کرتے ہیں۔ جب اس کو زیادہ عقل آئی تو اس نے سوچا ہوگا کہ اور آدمیوں کا ایک ریوڑ بناکر رہنے اور چلنے میں اپنی زیادہ حفاظت ہے۔ اس سے سب ڈریں گے، اور جانور، یا اور آدمی، اس پہ حملہ نہیں کریں گے۔ بھیڑ، بکری، ہرن، یہاں تک کہ ہاتھی بھی، ریوڑ بناکر چلتے پھرتے ہیں۔ سارا ریوڑ سو جاتا ہے تو ان میں سے ایک جانور جاگتا رہتا ہے اور ان کی

چوکی داری کرتا ہے۔ تم نے بھیڑیوں کے گلّے کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ رُوس کے ملک میں، سردی کے دنوں میں، بھیڑیئے اکثر بھوکے ہوتے ہیں، کیوں کہ وہاں سردی زیادہ ہونے کی وجہ سے انھیں شکار کم ملتا ہے۔ وہ گلّے بنا کر نکلتے ہیں، اور آدمیوں پر حملہ کرتے ہیں۔ اگر بھیڑیا اکیلا ہوتا ہے تو وہ آدمی پر بہت کم حملہ کرتا ہے؛ لیکن جب اُن کے گلّے کا گلّا ہوتا ہے تو ہر بھیڑیا اپنے آپ کو اتنا زور والا سمجھتا ہے کہ آدمیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ آدمی اپنی جانیں بچاکر بھاگتے ہیں تو برف پر چلنے والی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے آدمیوں اور بھیڑیوں سے دوڑ ہوتی ہے۔

جب پُرانے زمانے کے انسانوں نے تہذیب کی طرف قدم بڑھایا تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے لگے۔ اُنھوں نے اپنی ایک برادری بنائی، اور سب نے مل کر کام کرنا شروع کیا۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے لگے۔ ہر آدمی نے برادری کا فائدہ پہلے سوچا، اور اپنا فائدہ پیچھے۔ اگر برادری کو کسی طرح کا ڈر پیدا ہوا تو سب لوگ مل کر برادری کے دشمن سے لڑے، یا دشمن کے حملوں کو روکا۔ اگر برادری کے کسی آدمی نے کوئی کام نہیں کر کے

دیا اور شکست ہوگیا، تو ساری برادری نے اُس کو ٹھوکریں مار کر برادری سے نکال باہر کیا ؛

جب لوگ آپس میں مل کر کام کرنے لگے، تو اس کی ضرورت ہوئی کہ وہ سب ایک طریقے اور قاعدے سے کام کریں ۔ اگر ہر شخص اپنی ہی مرضی پر چلنے لگے تو ایک طریقہ اور ایک قاعدہ کہاں سے رہ جائے گا، اور برادری کا دباؤ تو جاتا ہی رہے گا؛ جس کا یہ مطلب ہوگا کہ برادری ہی ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس کی ضرورت ہوئی کہ برادری کسی کو اپنا سردار بنا لے ۔ جانوروں کے ریوڑ اور گلّے کا بھی ایک سردار ہوتا ہے ۔ آدمیوں کی برادری نے بھی اپنے میں سے کسی مضبوط اور زور والے آدمی کو اپنا سردار بنایا ۔ مضبوط آدمی کو سردار بنانے کی اس واسطے ضرورت پڑی کہ اُن لوگوں کو یہ ڈر تھا کہ ہم کو شاید لڑنا بھی پڑ جائے ؛

اگر برادری والے آپس ہی میں لڑنے لگ جائیں تو برادری کہاں رہ سکتی ہے ۔ اس لیے برادری کے سردار کا سب سے پہلا اور بڑا کام یہ تھا کہ برادری والوں کو آپس ہی میں لڑنے نہ دیں۔

برادری کے آدمیوں کو آپس میں لڑائی جھگڑے کی کسی طرح اجازت نہ تھی۔ ہاں، یہ ضرور ہوتا تھا کہ ایک برادری، دوسری برادری سے لڑے۔ ایک آدمی اگر اپنے فائدے یا نقصان کی خاطر بہت سے آدمیوں سے لڑے تو اُس سے تو یہ کہیں بہتر تھا کہ بہت سے آدمی بہت سے آدمیوں سے لڑیں۔ یہ بھی تو ترقی ہی ہوئی ⁂

جو برادری پہلے بنی ہوگی وہ ایک ہی کُنبے کی ہوگی؛ اُن کے آپس میں ضرور رشتہ داریاں ہوں گی۔ یہ کُنبہ بڑھتے بڑھتے اتنا بڑا ہوگیا کہ ایک بہت بڑی برادری بن گئی ⁂

انسان کو زندگی گزارنا بڑا مشکل کام ہوگا، خاص کر برادری بننے سے پہلے۔ اُس کے پاس سر چھپانے کو گھر نہیں ہوگا، نہ بدن ڈھکنے کو کپڑا؛ شاید جانوروں کی کھالیں پہنتے ہوں گے۔ اُس کو ہر وقت لڑائی کا ڈر رہتا ہوگا، یا وہ لڑتا رہتا ہوگا۔ پیٹ بھرنے کے واسطے اُس کو شکار کرنے اور جانوروں کے مارنے اور پھلوں کے چُننے سے فرصت نہ ہوتی ہوگی۔ اُس کو ہر وقت یہی خیال رہتا ہوگا کہ میں دشمنوں سے گھرا ہوا ہوں۔ اُس کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ زمین اور آسمان

میرے دشمن ہیں، کہ کبھی بھونچال آتا ہے، کبھی اولے پڑتے ہیں۔ بے چارے غریب کی کیا بُری حالت ہوگی! زمین پر ڈر کے مارے مارا مارا پھر رہا ہوگا؛ ہر چیز سے ڈرتا ہوگا، کیوں کہ کسی بات کو نہ سمجھ سکتا ہوگا۔ اگر اولے پڑتے ہوں گے تو وہ سوچتا ہوگا کہ بادلوں کا کوئی دیوتا مجھ سے خفا ہوگیا ہے، اور مجھ پر پتھر برسا رہا ہے۔ دیوتاؤں کے ڈر کے مارے وہ کسی طرح بادلوں کے اُن دیوتاؤں کو خوش کرنا چاہتا ہوگا، جو اولے، مینہ اور برف بھیج رہے ہیں۔ وہ سوچتا ہوگا کہ آخر یہ دیوتا کس طرح خوش ہوں؟ اُس کو کچھ سمجھ بوجھ تو ہوگی ہی نہیں؛ وہ اسی فکر میں گھلا جاتا ہوگا۔ اُس نے سوچا ہوگا کہ بادلوں کے دیوتا بھی خود اُسی جیسے ہوں گے، اور کھانے کو مانگتے ہوں گے۔ وہ کچھ گوشت لیتا ہوگا، یا کوئی جانور مارتا ہوگا، اور اُس کو دیوتاؤں کے کھانے کے واسطے کسی جگہ رکھ آتا ہوگا! وہ سمجھتا ہوگا کہ اس طرح وہ مینہ یا اولوں کو روک سکتا ہے!

اس وقت تو ہم کو یہ ایسی بے وقوفی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم اس پر ہنستے ہیں، کیوں کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ مینہ کیوں اور کیسے برستا ہے اور اولے کیوں اور کیسے پڑتے ہیں۔ اس سے اور جانوروں

کو مار کر دیوتاؤں پر چڑھانے سے کیا واسطہ؟ یہ بے وقوفی سہی، مگر مزے کی بات یہ ہے کہ آج بھی بہت سے آدمی ایسے ملتے ہیں، جو جاہل ہونے کے سبب سے یہی کرتے ہیں!

(۱۴)

مذہب کیسے بنے اور کام کی تقسیم کیسے ہوئی

میں نے تمہیں پچھلے خط میں یہ بتلایا ہے کہ شروع شروع کا انسان ہر چیز سے ڈرتا ہوگا، اور سوچتا ہوگا کہ اُس پر جو مصیبت آتی ہے وہ دیوتاؤں کے خفا ہونے سے آتی ہے، جو غصّے والے اور بدلہ لینے والے ہوتے ہیں۔ وہ ان خیالی دیوتاؤں کو جنگل میں، پہاڑوں کے اوپر، دریا کے نیچے، بادلوں کے اندر، غرض ہر جگہ دیکھتا ہوگا۔ وہ یہ تھوڑا ہی سمجھتا ہوگا کہ دیوتا نیک اور اچھے ہیں؛ بلکہ وہ تو یہ سمجھتا ہوگا کہ یہ دیوتا بڑے چڑچڑے، بہت جلدی خفا ہو جانے والے ذرا سی بات میں غصّے کے مارے لال ہو جانے والے ہیں۔ وہ اُن کے غصّے سے ڈرتے تھے، اس لیے وہ اُن کو کچھ دے کر خوش رکھنا چاہتے تھے؛ خاص کر کھانے کی چیزیں دے کر۔ بعض وقت جب کوئی

بڑی مصیبت آتی ہوگی، جیسے بھونچال، یا طوفان، یا ایسی کوئی بیماری، جس سے بہت سے آدمی مرجائیں، تو وہ اور بھی زیادہ ڈر جاتے ہوں گے، اور یہ سوچتے ہوں گے کہ دیوتا خفا ہوگئے ہیں۔ اُن کو خوش کرنے کے لیے وہ یہاں تک کرتے کہ مردوں، عورتوں اور اپنے بچّوں تک کو مار کر دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ یہ ایسی بات ہے کہ اُس کو سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں؛ لیکن ڈرا ہوا آدمی سب ہی کچھ کر گزرتا ہے!

اسی ڈر سے مذہب شروع ہوا۔ تم جانتی ہو کہ جو چیز ڈر کے مارے کی جائے وہ کچھ اچھی بات نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ ہر مذہب بہت ہی اچھی باتیں بتلاتا ہے۔ جب تم بڑی ہوکر دُنیا کے مذہبوں کے حال پڑھوگی اور اُن پر غور کروگی کہ اس اچھی چیز سے لوگوں نے کیسی بُری بُری باتیں پیدا کی ہیں، اور مذہب کا نام لے کر کیا کیا بُرے کام کیے ہیں، تو تمھیں بڑا تعجب ہوگا۔ اس وقت تو بس اتنی ہی بات بتلانی تھی کہ مذہب کیسے پیدا ہوا اور کیسے بڑھا۔ لیکن چاہے یہ کتنا ہی بڑھ گیا ہو، مگر آج بھی یہ دیکھا جارہا ہے کہ مذہب ہی کا نام لے کر لوگ آپس

میں لڑتے اور ایک دوسرے کا سر توڑتے ہیں ۔ اسی سے مذہب ڈراؤنی چیز ہو رہا ہے ۔ لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مندروں میں جو خیالی چیز ہے اُس کو کچھ دے دلاکر خوش رکھیں ؛

غرض، شروع کے آدمی کو بڑی ہی تکلیفیں اُٹھانا پڑی ہوں گی ۔ اُس کو یا تو اپنے کھانے پینے کی چیزیں ہر روز تلاش کرنا پڑتی ہوں گی، یا وہ بُھوکا مرتا ہوگا ۔ ظاہر ہے کہ اُن دنوں کوئی سُست آدمی زندہ ہی نہیں رہ سکتا تھا ۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی آدمی کھانے پینے کی بہت سی چیزیں جمع کر لیتا، اور بہت دنوں تک کچھ نہ کرتا، اور سُست پڑا رہتا ؛

جب برادری بن گئی، تو آدمی کو ذرا سا آرام ملا ۔ برادری کے سب آدمی مل کر کام کر کے کھانے پینے کی چیزیں اتنی جمع کر لیتے کہ ایک اکیلا آدمی جمع نہ کر سکتا ۔ تم جانتی ہو کہ اگر بہت سے آدمی مل جُل کر کام کریں، یا ایک دوسرے کی مدد کریں، تو اتنا بہت کام ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی اکیلا نہیں کر سکتا ۔ ایک، یا دو، آدمی کسی بھاری بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے ؛ لیکن اگر بہت سے آدمی ایک دوسرے کی مدد کریں تو اسی بوجھ کو آسانی سے اُٹھا سکتے ہیں ۔ جیسا کہ میں بتلا چکا ہوں

اُن دنوں انسان نے ایک اور ترقی کرلی تھی، یعنی کھیتی باڑی سیکھ لی تھی. تم کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ چیونٹی بھی ایک طرح کی کھیتی کرتی ہے. میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ چیونٹی بھی زمین جوتتی، بوتی، اور جب فصل تیار ہوتی ہے تو اناج اُٹھاکر اپنے گھر میں لے آتی ہے۔ چیونٹی جو کچھ کرتی ہے، وہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اگراُن کو کوئی ایسی جڑی بوٹی مل جاتی ہے، جس کے دانے وہ کھاتی ہے، تو اُس کے گرد جتنی گھاس ہوتی ہے اُس کو نکال ڈالتی ہے؛ اس سے وہ جڑی بوٹی زیادہ پھیلتی پھولتی ہے ۔

شاید کسی زمانے میں آدمی بھی ویسی ہی کرتا ہو، جو چیونٹی کرتی ہے. اُس وقت وہ یہ تو سمجھتے ہی نہیں ہوں گے کہ کھیتی باڑی کیا چیز ہے۔ یہ سمجھنے کے لیئے بھی اُنھیں بہت زمانہ لگا ہوگا، تب کہیں اُنھوں نے بیج بونا سیکھا ہوگا ۔

جب کھیتی باڑی شروع ہوئی تو کھانا ملنا آسان ہوگیا ہوگا۔ دن بھر شکار کی تلاش میں پھرنے کی ضرورت نہیں رہی ہوگی۔ جتنی محنت اُنھیں کرنا پڑتی تھی اب اُس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی ہوگی، اور آرام کے لیے وقت زیادہ ملتا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ کھیتی باڑی

سے پہلے ہر ایک آدمی شکاری ہوگا۔ مردوں کا تو صرف یہ کام ہوگا کہ کھانے کے لیے دن بھر شکار کرتے پھریں۔ عورتیں یا تو بچّوں کی دیکھ بھال کرتی ہوں، یا کھانے کے واسطے پھل چُن لاتی ہوں۔ جب کھیتی باڑی آئی تو بہت سے اور کام نکل آئے۔ کھیتوں میں کام کرنا تھا، کچھ نہ کچھ شکار بھی کرنا تھا اور جانوروں کی دیکھ بھال بھی کرنا تھی۔ شاید عورتیں جانوروں کو دیکھتی بھالتی ہوں، اور گائے کا دُودھ دُوہ لیتی ہوں۔ مردوں میں کچھ آدمی ایک قسم کا کام کرتے ہوں گے، اور کچھ دوسری قسم کا۔

تم اس وقت دنیا میں یہ دیکھتی ہو کہ ایک آدمی ایک ہی خاص قسم کا کام کرتا ہے۔ جیسے ایک آدمی حکیم ہے کہ لوگوں کا علاج کرتا ہے، ایک بڑھئی ہے، ایک لوہار ہے، ایک راج ہے، ایک موچی ہے، ایک درزی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ہر آدمی نے ایک ایک کام اختیار کر لیا ہے، وہ دوسرا کام نہیں جانتا۔ یہی کام کی تقسیم کہلاتی ہے۔ اگر ایک آدمی کسی ایک ہی کام کو کرتا رہے، تو وہ اُس کو اچھی طرح کر سکے گا؛ لیکن اگر وہ بہت سے کام کرنے لگے تو سب کاموں کو اچھی طرح نہیں کر سکے گا۔

آج دنیا میں کام کی تقسیم بہت زیادہ ہے ؞
جب کھیتی باڑی شروع ہوئی تو پرانی برادری میں
کام کی تقسیم بھی شروع ہوگئی ؞

(۱۴)

کھیتی باڑی سے اور کیا کیا باتیں نکلیں

میں نے اپنے پچھلے خط میں کام کی تقسیم کا کچھ حال بتلایا تھا۔ شروع ہی شروع میں جب آدمی شکار ہی کرکے اپنا پیٹ بھرتے تھے، تو کام کی کچھ تقسیم تھی ہی نہیں؛ نہ ضرورت تھی۔ ہر آدمی شکار کرتا تھا اور مشکل سے اپنا ہی پیٹ پال سکتا تھا۔ پہلے ہی پہلے کام کی تقسیم مرد اور عورت میں شروع ہوئی ہوگی۔ مرد شکار کرتا ہوگا، اور عورت گھر میں رہ کر بچوں اور اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کرتی ہوگی۔

جب آدمیوں نے کھیتی باڑی سیکھ لی تو بہت سے نئے کام نکل آئے۔ یہیں سے کام کی تقسیم شروع ہوئی۔ کچھ لوگ تو شکار کرتے ہوں گے، اور کچھ جوتنے بونے اور ہل چلانے میں لگے رہتے ہوں گے۔

جب اور وقت گزرا ہوگا، تو لوگوں نے اور کام سیکھے ہوں گے، اور اور اپنا اپنا کام خوب کرنے لگے ہوں گے۔

بونے جوتنے کا ایک اور اچھا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ گانوں اور قصبوں میں رہنے لگے۔ اس سے پہلے سب آدمی الگ الگ شکار کی دھن میں مارے مارے پھرتے تھے۔ اُن کو ایک جگہ مل کر رہنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ جہاں پہنچتے شکار کرکے پیٹ بھر لیتے۔ بھیڑ، بکری، گائے، بیل تو اُن کو پالنا آتا ہی تھا، اُن کے چارے اور پانی کے لیے اُنھیں اور بھی مارا مارا پھرنا پڑتا تھا۔ جب ایک جگہ کا چارہ ختم، یا کم ہو جاتا تو اُن کو اس کی تلاش میں کہیں اور جانا پڑتا۔ جب کوئی اور جگہ مل جاتی تو ساری برادری کی برادری کو وہاں جانا ہوتا تھا۔

جب کھیتی باڑی شروع ہوئی تو لوگوں کو ایک ہی جگہ، اپنے کھیت کے پاس، رہنا پڑا۔ جس زمین کو اُنھوں نے بویا جوتا تھا اُس کو بھلا وہ کیسے چھوڑ دیتے؟ اس لیے اُن کو ایک فصل سے دوسری فصل تک ایک ہی جگہ رہنا پڑتا تھا۔ یوں گانوں اور شہر بس گئے۔

کھیتی باڑی سے جو اچھی باتیں آدمیوں کے لیے پیدا کیں، اُن میں سے ایک یہ تھی کہ آدمیوں کی زندگی زیادہ آرام سے کٹنے لگی۔ شکار سے زیادہ تو اس میں آرام ملتا تھا کہ آدمی ایک ہی جگہ رہ کر کھیتی باڑی کرے۔ زمین سے اتنی بہتات کے ساتھ چیزیں پیدا ہوتی تھیں کہ آدمی اُس کو فوراً نہیں کھا سکتا تھا۔ جو کچھ بچتا اُس کو وہ بڑی حفاظت کے ساتھ جمع رکھتا تھا۔

یہیں سے ایک اور بڑی اچھی بات پیدا ہوئی۔ جب آدمی صرف شکاری ہی تھا تو وہ کچھ جمع نہیں کر سکتا تھا، اور اگر کرتا تھا تو بہت ہی تھوڑا، وہ کسی طرح پیٹ ہی بھر لیتا ہوگا۔ بنک گھر تو تھے ہی نہیں، جہاں وہ اپنا روپیہ، پیسہ، یا مال جمع رکھتا۔ اوّل تو روپیہ پیسہ اُس وقت تک نکلا ہی نہ تھا۔ وہ تو روز شکار کرتا تھا اور کھا لیتا تھا۔ اب کھیتی باڑی سے اتنا پیدا ہونے لگا کہ کچھ بچنے بھی لگا، جو اناج باقی رہتا وہ اُس کو جمع رکھتا۔ یہیں سے اناج کا بچنا اور اُس کا جمع رکھنا شروع ہوا۔ اناج اس لیے باقی بچنے لگا کہ لوگوں نے ضرورت سے زیادہ محنت کی۔

تُم جانتی ہو کہ اب بنک گھر کھلے ہوئے ہیں، جہاں روپیہ جمع

رہتا ہے۔ جمع کرنے والے کو جتنے روپئے کی ضرورت ہوتی ہے چک بھیج کر منگوا لیتا ہے۔ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ یہ بچا ہوا روپیہ ہے، جو لوگوں کے پاس یا تو خرچ کرتے کرتے بچ گیا، یا اُنھوں نے کم خرچ کرکے بچا لیا، اور بنک گھر میں جمع کر دیا۔ آج کل امیر آدمی وہ سمجھا جاتا ہے جس کا بہت سا روپیہ بنک گھر میں جمع ہو بچا رہے غریب آدمیوں کے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آئے کہ وہ اُسے جمع کریں! آگے چل کر تمھیں معلوم ہوگا کہ روپیہ کیسے بچ رہتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جو آدمی زیادہ محنت کرتا ہے وہی روپیہ بچا سکتا ہے۔ آج کل تو یہ حال ہے کہ جو زیادہ کام کرتا ہے اُس کو اُتنا نہیں ملتا کہ وہ بچا کر جمع کر سکے۔ جو کام نہیں کرتا اُس کے پاس اتنا روپیہ ہوتا ہے کہ وہ بچا تا اور جمع رکھ سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ بڑی بُری سی بات ہے۔ بہت سے آدمیوں کا یہ خیال ہے کہ اسی بُری بات کے سبب سے دنیا میں غریب آدمی زیادہ ہیں۔ اس وقت تم اتنی چھوٹی ہو کہ اس بات کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتیں؛ جب بڑی ہوگی تو سمجھ لوگی ۔

اس وقت تو تم صرف یہ یاد رکھو کہ کھیتی باڑی سے یہ

کیا کہ لوگوں کو اتنی سُہتات کے ساتھ اناج دیا کہ وہ اُسے فوراً ہی نہیں کھا سکے، اور جمع کرنے لگے۔ اُن دنوں نہ بینک گھر تھے، نہ روپیہ۔ جن کے پاس بہت سا اناج، اور بہت سی بھیڑ، بکریاں، گائے اور اونٹ وغیرہ ہوتے، وہی اُس زمانے میں امیر سمجھے جاتے تھے۔

(۱۵)

قبیلے کا شیخ کیسے بنا

مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میرے خط روز بروز پیچیدہ سے ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن ذرا غور کرو تو معلوم ہوگا کہ آج کل زندگی ہی پیچیدہ ہوگئی ہے اور زندہ رہنا بڑا ہی مشکل ہوگیا ہے۔ بہت پرانے زمانے میں زندگی بہت سادہ تھی۔ مگر خیر! ہم تو اس زمانے پر غور کر رہے ہیں، جب پیچیدگی پڑنا شروع ہی ہوئی تھی۔ اگر ہم اپنی تحقیقات کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے جاویں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ جب زندگی کے کار و بار شروع ہی ہوئے تھے اور برادری بنی ہی بنی تھی تو پھر ہوتے ہوتے کیا کیا تبدیلیاں ہوگئی تھیں۔ اگر ہم اس پر اچھی طرح غور کر لیں تو پھر آج کل کی بہت سی باتوں کے سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی۔ اگر ایسا

نہ کریں گے، تو جو کچھ اس وقت ہمارے اِرد گِرد ہو رہا ہے اُس کو ہرگز نہیں سمجھ سکیں گے۔ ہماری ویسی ہی حالت ہوگی، جیسی اُن بچّوں کی، جو کسی گھنے جنگل میں راستہ بھول گئے ہوں۔ اسی لیے میں آج تمھیں جنگل کے ایک سرے پر لیے چلتا ہوں کہ وہاں سے راستے کا پتہ ڈھونڈکر نکال سکیں گے۔

تمھیں یاد ہوگا کہ ایک دفعہ مسوری میں تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ "بادشاہ کیا ہوتے ہیں، اور بادشاہ کیسے بن جاتے ہیں"؟ اچھا، آؤ! ذرا اُس پچھلے زمانے کو جھانک کر دیکھیں، جب بادشاہ بننے شروع ہی ہوئے تھے۔

پہلے تو اس کو یاد رکھو کہ شروع شروع میں کوئی بھی بادشاہ نہیں کہلاتا تھا۔ لیکن اگر ہم اُن کی بابت تحقیق کرتے جاویں تو ہم کو "بادشاہ" اور بادشاہ بننے کی اصلیت معلوم ہو جاوے گی۔

میں تمھیں بتلا چکا ہوں کہ قبیلے کیسے بنے تھے۔ جب آدمیوں کو کھیتی باڑی آگئی، اور کام "یا مزدوری" کی تقسیم بھی کچھ کچھ ہو گئی تو اب اس کی ضرورت ہوئی کہ قبیلے کا کوئی آدمی کام کا انتظام کرے۔ اس سے بھی پہلے ایک قبیلے کے لوگ جب کسی

دوسرے قبیلے سے لڑتے تھے تو یہ چاہتے تھے کہ کوئی ہمارا بڑا بن کر ہمیں لڑائی میں مدد دے۔ جو آدمی اُن کا سردار بن کر اُن کو لڑنے کے واسطے لے کر جاتا تھا، وہ قبیلے کا سب سے بُوڑھا آدمی ہوتا تھا۔ اُس وقت (بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہم میں اِس وقت بھی) وہ "شیخ" یا سردار کہلاتا تھا۔ وہ قبیلے میں سب سے بڑا بُوڑھا ہوتا تھا، اِس لیے یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بہت سی باتیں جانتا ہے اور بڑا تجربہ کار ہے۔ مگر اس شیخ اور قبیلے کے اور آدمیوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا تھا۔ شیخ بھی سب کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا، اور جتنا اناج پیدا ہوتا تھا اُس کو قبیلے کے سب آدمی مل کر بانٹ کھایا کرتے تھے۔ سارا قبیلہ ساری چیزوں کا مالک ہوتا تھا۔ وہ حال نہ تھا جو اس وقت ہے، کہ ہر آدمی کا گھر الگ ہے، روپیہ الگ ہے، غرض ہر چیز الگ الگ ہے۔ اُس زمانے میں تو یہ حال تھا کہ ایک اکیلا آدمی محنت کر کے جو کچھ کماتا تھا وہ سارے قبیلے کا ہوتا تھا؛ کیونکہ کمانے والا بھی اُسی قبیلے کا ہی ایک آدمی ہوتا تھا۔ قبیلے کے سارے کاموں کا انتظام شیخ کرتا تھا، اس لیے چیزوں کو

بانٹنے کا کام بھی وُہی کرتا تھا۔

آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہونے لگیں۔ کھیتی کی وجہ سے نئے نئے کام نکلتے چلے آئے، اس لیے شیخ کو اپنا سب سے زیادہ وقت انتظام کرنے اور یہ دیکھنے میں لگانا پڑا کہ قبیلے کے سب آدمی ٹھیک ٹھیک کام کرتے ہیں، یا نہیں۔ اب تک تو شیخ بھی قبیلے کے سب آدمیوں کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا، مگر ہوتے ہوتے شیخ نے قبیلے کا معمولی کام کرنا چھوڑ دیا۔ یوں وہ قبیلے کے اور لوگوں کے مقابلے میں کچھ اور ہی طرح کا آدمی بن گیا۔ اس سے ایک اور قسم کے کام یا مزدوری کی تقسیم شروع ہوئی۔ شیخ کا بس یہ کام رہ گیا کہ وہ انتظام کیا کرے اور لوگوں کو ادھر اُدھر کام بتلائے۔ قبیلے کے لوگوں کا یہ کام ہوا کہ وہ کھیتوں میں جاکر کام کریں، شکار کر لایا کریں، دشمنوں سے لڑیں اور اپنے سردار، یعنی شیخ، کا حکم مانیں۔ اگر کسی دوسرے قبیلے سے لڑائی ہوتی، یا وہ لوگ آپس ہی میں لڑ پڑتے تو شیخ کے اختیارات اور زیادہ بڑھ جاتے؛ کیوں کہ لڑائی کے زمانے میں کسی سردار کے بغیر اچھی طرح لڑنا ناممکن تھا۔ یوں شیخ زیادہ

اختیار والا ہوتا چلا گیا۔

انتظام کرنے کا کام اور بڑھا تو شیخ اُس کو اکیلا نہیں سنبھال سکتا تھا۔ اُس نے قبیلے میں سے کچھ اور لوگوں کو اپنی مدد کے لیے چُن لیا۔ یوں بہت سے انتظام کرنے والے پیدا ہوئے، لیکن سب کا سردار قبیلے کا شیخ ہی رہا۔ اب قبیلے کی ایک اور تقسیم ہوئی۔ ایک تو انتظام کرنے والے اور دوسرے معمولی کام کرنے والے۔ اب وہ بات بھی نہ رہی کہ سارے آدمی برابر تھے۔ کچھ لوگ، جو انتظام کرنے والے تھے، اُن کو دوسرے آدمیوں پر، جو معمولی کام کرنے والے تھے، زیادہ اختیار ہو گیا۔

تم کو میرے اگلے خط سے معلوم ہوگا کہ شیخ کا اختیار کس طرح آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔

(۱۶)

شیخ نے کس طرح ترقی کی

میں نے جو پُرانے قبیلوں اور اُن کے شیخوں کا حال پچھلے خط میں بیان کیا ہے، اُمید ہے کہ وہ تمھیں بہت خشک نہیں معلوم ہوا ہوگا ۔

میں نے اپنے ایک خط میں تمھیں یہ بتلایا ہے کہ اُن دنوں ہر چیز کا مالک تمام قبیلہ ہوتا تھا؛ یہ نہیں تھا کہ ایک چیز ایک ہی آدمی کی ہوتی۔ یہاں تک کہ شیخ بھی کسی خاص چیز کا اکیلا مالک نہیں تھا۔ وہ قبیلے میں جیسے اور آدمی تھے، ویسا ہی ایک آدمی تھا۔ چیزوں میں جیسے اور لوگ حصّہ پاتے تھے ویسے ہی وہ بھی ایک حصّہ پاتا تھا۔ لیکن وہ انتظام کرنے اور انتظام رکھنے والا تھا، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ قبیلے کے

تمام مال اور جائداد کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسے جیسے اُس کے
اختیارات اور طاقت بڑھی، ویسے ہی ویسے وہ یہ سمجھنے لگ گیا
کہ قبیلے کا سب مال اور جائداد، حقیقت میں خود اُسی کی ہیں
نہ کہ سارے قبیلے بھر کی؛ یا اُس نے یہ سوچا کہ جب وہ قبیلے
کا سردار ہے تو وہ اُس قبیلے کا نمایندہ بھی ہے۔ اس سے یہ
پتہ لگے گا کہ یہ خیال کیوں کر پیدا ہوا کہ ایک ہی آدمی اپنے آپ
کو قبیلے کی چیزوں کا مالک سمجھنے لگا۔ آج تو یہ معمولی سی
بات ہے کہ ہم یہ سوچتے اور کہتے ہیں کہ یہ چیز "میری" ہے
اور وہ چیز "تیری" ہے۔ مگر، جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں،
سب سے پہلے قبیلے کے مرد یا عورت نہ اس طرح سمجھتے تھے
نہ کہتے تھے۔ ہر چیز سارے قبیلے کی ہوتی تھی۔

غرض، پرانے شیخ نے یہ سوچنا شروع کیا کہ قبیلہ جس چیز
کا نام ہے وہ خود وہی ہے؛ اس لیے وہ چیزیں، جو سارے
قبیلے کی ہیں، اُن سب کا وہی اکیلا مالک ہے۔

جب کوئی شیخ مرجاتا تو قبیلے کے سارے آدمی جمع ہو کر
کسی دوسرے آدمی کو اپنا سردار، یا شیخ، چُن لیتے۔ لیکن عام طور

پر اوروں کے مقابلے میں شیخ ہی کے کُنبے کے آدمی انتظام کا کام زیادہ جانتے تھے، کیوں کہ وہ لوگ ہمیشہ شیخ کے ساتھ رہتے تھے اور اُس کے کام میں زیادہ مدد دیتے تھے۔ اس لیے سارے کام اور باتوں کو جاننے لگ جاتے تھے۔ اسی واسطے یہ ہوتا رہا کہ جب کوئی بوڑھا شیخ مرجاتا تو قبیلے کے آدمی اُسی کے کُنبے سے کسی آدمی کو اپنا شیخ بنا لیتے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ شیخ کا کُنبہ کچھ اور کا اور ہوگیا؛ اور قبیلے والے اپنا سردار ہمیشہ اُسی کے کُنبے سے چُننے لگے۔ شیخ کو بہت سے اختیارات حاصل تھے، اس لیے یہ ہوتا ہی تھا کہ شیخ یہ چاہنے لگا کہ اُسی کا بیٹا، یا بھائی، اُس کی جگہ شیخ بنایا جاے۔ اُس نے اپنی پوری کوشش کی کہ یہی ہوتا رہے۔ اس کے واسطے اُس نے اپنے بیٹے، یا بھائی، یا کسی قریبی رشتے دار کو اپنا کام اس طرح سکھلایا بتلایا کہ وہ اُس کی جگہ کام کرنے کے لائق ہو جاے۔ وہ کبھی اپنے قبیلے سے بھی کہہ دیا کرتا تھا کہ اُس نے فلاں شخص کو اپنی جگہ کے لیے چُنا ہے، اور اُسے کام سکھلایا ہے، اس لیے اُس کے بعد

اُسی شخص کو شیخ بنایا جاٴے۔ شروع شروع میں شاید قبیلے والوں کو شیخ کا یہ کہنا اچھّا نہ معلوم ہوا ہو؛ لیکن ہوتے ہوتے اُن کو اس کی عادت سی پڑگئی کہ شیخ اُن کو جو کچھ کہہ جاتا، یا بتلا جاتا، اُسی پر وہ ہمیشہ عمل کرتے رہتے۔ پھر یہ ہونے لگ گیا کہ جب نیا شیخ بنانا ہوتا تو نہ کوٴی آدمی چُنا جاتا، نہ کسی کو پسند کیا جاتا، کیوں کہ مرنے والا شیخ یہ تبلا ہی جاتا تھا کہ اُس کی جگہ کون آدمی شیخ بنایا جاٴے گا، اور وُہی شخص شیخ بنا دیا جاتا، یا وہ آدمی آپ ہی شیخ بن بیٹھتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کی جگہ ایسی ہوگئی کہ باپ کی جگہ بیٹا، یا کوٴی اور قریبی رشتے دار، شیخ ہونے لگا؛ یعنی ایک ہی کُنبے میں سے شیخ ہونے لگے۔ اب تو شیخ کو پورا یقین ہوگیا کہ جو جائداد، یا چیزیں سارے قبیلے کی تھیں، اُن کا حقیقت میں وُہی اکیلا مالک ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ مرجاتا تب بھی وہ اُسی کے کُنبے میں رہتی تھیں۔ اب دیکھو کہ یہ خیال کس طرح پیدا ہوا کہ فلاں چیز "میری" ہے اور فلاں چیز "تیری"۔ شروع شروع میں تو اس کا کسی کو خواب و خیال

بھی نہ تھا۔ سارے قبیلے کے آدمی جو کام مل کر کرتے تھے وہ اپنے اپنے واسطے نہیں کرتے تھے، بلکہ سارے قبیلے کے واسطے کرتے تھے۔ اگر وہ بہت سی خوراک، یا کوئی اور چیزیں پیدا کرلیتے، تو سارے قبیلے کے آدمی اُس میں برابر کے حصے دار ہوتے تھے۔ قبیلے بھر میں نہ کوئی آدمی امیر ہوتا تھا، نہ غریب۔ وہ قبیلے کی ساری چیزوں میں برابر کے حصے دار تھے۔

لیکن جیسے ہی شیخ نے اُن چیزوں کی، جن کا مالک سارا قبیلہ تھا، چھین جھپٹ شروع کی تو امیر اور غریب آدمی ہونے لگے۔

اگلے خط میں اس کی بابت میں کچھ اور لکھوں گا۔

(۱۷)

شیخ بادشاہ بن بیٹھا

بوڑھے شیخ نے ہمارا بہت سا وقت لے لیا۔ کیوں نا؟ اب ہم اس سے بہت جلد چھٹی پا جائیں گے؛ یا یوں کہو کہ وہ اپنا پرانا نام "شیخ" چھوڑ کر نیا نام اختیار کر لے گا۔ میں نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تمھیں یہ بتلاؤں گا کہ بادشاہ کہاں سے آئے، اور وہ پہلے کیا تھے۔ بادشاہ کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ پہلے پرانے زمانے کے شیخ کا ذکر کیا جائے۔ تم نے یہ تو قیاس کر لیا ہوگا کہ یہی شیخ بعد کو بادشاہ، یا راجا، مہاراجا بن بیٹھے۔ "شیخ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "بڑے، بوڑھے، یا باپ" کے ہیں۔ وہ اپنے قبیلے، یا اپنے آدمیوں، میں ایسا بڑا بوڑھا ہوتا تھا جیسے

باپ۔ سنسکرت یا ہندی میں جب ہم اپنے وطن، ہندوستان، کا ذکر کرتے ہیں تو اُس کو "ماتا" یا "ماترابھومی" یعنی اپنی "ماں" یا "ماں کا وطن" کہتے ہیں۔ اب جو کچھ تمھارا جی چاہے کہہ لو۔

جب شیخ کی جگہ ایسی ہوگئی کہ باپ کی جگہ بیٹا شیخ ہونے لگا، تو شیخ میں اور بادشاہ میں بہت ہی کم فرق رہ گیا۔ ہوتے ہوتے وہ بادشاہ ہی ہوگیا۔ بادشاہ ہُوا تو اُس کو یہ عجیب خیال پیدا ہوگیا کہ سارے مُلک میں جو کچھ ہے وہ سب میرا ہی ہے۔ اُس نے سوچا کہ جس چیز کو مُلک کہتے ہیں، وہ خود میں ہی ہوں۔ فرانس کے ایک مشہور بادشاہ نے بھی ایک مرتبہ یہی کہا تھا کہ "جس چیز کو سلطنت کہتے ہیں وہ میں ہی ہوں" یا یہ کہ "خود میں ہی سلطنت ہوں"۔ بادشاہ یہ بھول گئے کہ حقیقت میں ہم کو لوگوں ہی نے بادشاہ بنایا ہے، اس لیے کہ ہم انتظام کریں، اور مُلک کی خوراک اور چیزوں کو لوگوں میں تقسیم کردیں۔ وہ یہ بات بھی بھول گئے کہ وہ صرف اس لیے بادشاہت کے واسطے چُنے گئے ہیں کہ اُن کو قبیلے بھر میں سب سے زیادہ عقل مند اور سب سے زیادہ تجربہ کار سمجھا گیا تھا۔ جب

بادشاہ بنے تو اُنھوں نے یہ خیال کرلیا کہ ہم آقا ہیں، اور ملک میں جتنے آدمی ہیں سب ہمارے غلام ہیں۔ مگر سچی اور اصلی بات یہ تھی کہ خود وہ ہی ملک کے غلام تھے۔

جب تم آگے چل کر تاریخ کی کتابیں پڑھوگی، تو تم کو معلوم ہوگا کہ بادشاہوں میں یہ غرور پیدا ہوگیا کہ ہمارے بادشاہ بننے میں لوگوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے کہ "خود خدا ہی نے ہمیں بادشاہ بنایا ہے"۔ اس کو وہ "خدا کا دیا ہوا حق" کہنے لگے۔ اُن میں برسوں یہ بُرا خیال رہا۔ اُدھر تو وہ بڑی شان اور شوکت سے رہنے اور خوب عیش کرنے لگے، اور اِدھر بےچاری رعایا فاقے کرنے لگی۔ آخر رعیت کب تک صبر کرتی؛ اُنھوں نے بعضے ملکوں سے اپنے بادشاہوں کو نکال باہر کیا۔ تم یہ بھی پڑھوگی کہ انگلستان کے لوگ اپنے بادشاہ، چارلس اوّل، کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، اُس کو لڑائی میں شکست دی اور مار ڈالا تھا۔ اسی طرح فرانس میں بڑا انقلاب ہوا اور رعیت نے یہ طے کیا کہ ہم کو کسی بادشاہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تم کو یاد ہوگا کہ جب

ہم فرانس میں تھے تو پیرس کا ایک قید خانہ دیکھنے گئے تھے۔ تم بھی ہمارے ساتھ تھیں نا؟ اُسی قید خانے میں فرانس کے بادشاہ کا سارا کُنبہ، اُس کی بیوی اور ساتھی قید کیے گئے تھے۔ تم رُوس کے بڑے انقلاب کا بھی حال پڑھوگی، کہ ابھی تھوڑے ہی برس ہوئے ہیں کہ وہاں کے لوگوں نے اپنے بادشاہ کو، جو "زار" کہلاتا تھا، نکال باہر کیا تھا۔

بادشاہوں نے اپنے زمانے میں خوب چین کرلی۔ اب بہت زیادہ مُلکوں میں بادشاہ ہیں ہی نہیں۔ نہ فرانس میں بادشاہ ہے، نہ جرمنی میں، نہ رُوس میں، نہ سوئٹزرلینڈ میں، نہ امریکہ میں، نہ چین میں۔ اسی طرح اور بہت سے مُلکوں میں بھی بادشاہ نہیں ہیں۔ ان سب مُلکوں میں "ری پبلک" (پنچایتی راج) ہے، یعنی عام لوگ اپنے گورنر (حاکم) اور سردار تھوڑے تھوڑے عرصے کے لیے چُن لیتے ہیں، اور بس۔ یہ گورنر اور سردار ایسے نہیں ہوتے کہ باپ کے بعد اُن ہی کے بیٹے گورنر بنیں۔

تم جانتی ہو کہ ابھی تک انگلستان میں بادشاہ ہے، لیکن اُس کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ وہ بہت ہی تھوڑے سے

کام اپنے اختیار سے کرسکتا ہے۔ تمام اختیارات پارلے منٹ (پنچایت) کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں لوگوں ہی کے چُنے ہوئے آدمی ہوتے ہیں۔ تم کو یاد ہوگا کہ تم نے لنڈن میں پارلے منٹ دیکھی تھی؟

ابھی ہندوستان میں بہت سے راجا مہاراجا اور نواب موجود ہیں۔ تم نے اُنھیں دیکھا ہوگا کہ وہ اچھے اچھے بھڑکیلے کپڑے پہنے، بڑی قیمتی موٹر کاروں میں بیٹھے، پھرتے ہیں اور اپنے اوپر بہت سا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اُن کے پاس اتنا بہت سارو پیہ کہاں سے آتا ہے؟ وہ لوگوں پہ محصول لگاکر روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ محصول تو اس لیے لیا جاتا ہے کہ اُس محصول کے روپئے سے تمام مُلک کے آدمیوں کو مدد دی جاوے؛ سکول کھولے جاویں؛ شفا خانے قائم کیے جاویں؛ کتب خانے اور عجائب خانے بناوے جاویں؛ اچھی اچھی سڑکیں تیار کی جاویں اور بہت سے ایسے کام کیے جاویں کہ جن سے رعیت کو آرام اور فائدے پہنچیں۔ مگر ہمارے راجے، مہاراجے ابھی تک فرانس کے بادشاہ کی

طرح یہ ہی سمجھتے ہیں کہ "سلطنت خود میں ہی ہوں"!
وہ لوگوں کا روپیہ اپنے عیش و عشرت میں اُڑا دیتے ہیں؟
وہ تو مزے کرتے ہیں، اور اُن کی رعیّت، جو بڑی محنت
مشقّت کر کے اُن کو روپیہ دیتی ہے، فاقے مرتی ہے، اور
اُن کے بچّوں کے پڑھنے کے لیے کوئی سکوُل تک نہیں!

(۱۸)

پرانے زمانے کا تمدّن

ہم ضرورت کے موافق شیخوں اور بادشاہوں کا کافی ذکر کر چکے ہیں۔ آؤ! اب ہم تھوڑی دیر کے لیے پھر پرانے زمانے پر نظر ڈالیں، اور اس زمانے کے تمدّن، یعنی رہنے سہنے کے طریقوں، کو دیکھیں، اور ان لوگوں کو پہچانیں جو ان دنوں موجود تھے۔

ہم کو ان پرانے زمانے کے آدمیوں کا بہت زیادہ حال معلوم نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی بہت ہی پرانے پتھر کے زمانے اور نئے پتھر کے زمانے کے آدمیوں کی بہ نسبت ان لوگوں کا ہمیں زیادہ حال معلوم ہے۔ ہمارے سامنے اب بھی ان بڑی عمارتوں کے کھنڈر موجود ہیں، جو اب

سے ہزاروں برس پہلے بنائی گئی تھیں۔ ان عمارتوں، مندروں اور محلوں کے کھنڈروں کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اُس پُرانے زمانے کے آدمی کیسے ہوں گے، اور اُنھوں نے کیا کچھ کیا ہوگا۔ ان پُرانے زمانے کی عمارتوں کی سنگ تراشی اور نقّاشی ہماری تحقیقات میں ہم کو خاص طور پہ مدد دیتی ہیں۔ بعض جگہ کی سنگ تراشی کو دیکھ کر ہم یہ بھی معلوم کرسکتے ہیں کہ اُس زمانے کے لوگ کیسا لباس پہنتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں معلوم کرسکتے ہیں۔

ہم ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ پہلے پہل آدمی کہاں بسے ہوں گے، اور اُنھوں نے آہستہ آہستہ تمدّن کس طرح بنایا ہوگا۔ بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ جہاں آج کل بحر اتلانتک ہے وہاں کسی زمانے میں بہت بڑا ملک آباد تھا۔ اس مُلک کا نام اتلانتیس بتلاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس مُلک میں جو لوگ رہتے تھے وہ بہت ترقی کیے ہوئے تھے؛ لیکن جیسا کہ میں ایک خط میں تمھیں بتلا چکا ہوں، اس مُلک کو کسی نہ کسی طرح بحر اتلانتک نے غرق کردیا۔ اُس مُلک

کا کوئی حصّہ بھی اب باقی نہیں رہ گیا۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہاں آبادی تھی۔ یوں ہی قصّہ کہانی رہ گئی ہے۔ اسی لیے ہم اس کا ذکر ہی چھوڑے دیتے ہیں۔ اس پر غور کرنا بھی بے کار ہی ہے ؟

ہم کو بعض لوگ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ پُرانے زمانے میں امریکہ کے ملک میں جو لوگ آباد تھے وہ بھی بہت ترقّی کیے ہوئے تھے۔ تم جانتی ہو کہ یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے کولمبس نے امریکہ کا مُلک دریافت کیا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کولمبس سے پہلے امریکہ کا مُلک تھا ہی نہیں۔ اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ یوروپ والوں کو اس مُلک (امریکہ) کا حال اُس وقت معلوم ہوا ہے کہ جب کولمبس نے اس کو دریافت کرکے اُن کو بتلایا ہے۔ کولمبس کے امریکہ پہنچنے سے بہت پہلے لوگ وہاں بستے تھے اور اُن میں ایک قسم کی تہذیب بھی تھی۔ امریکہ میں ایک مقام ہے جس کا نام لوکاٹن ہے۔ یہ جگہ شمالی امریکہ کے صوبۂ میکسیکو میں واقع ہے۔ اس جگہ بڑی پُرانی عمارتوں کے کھنڈر ملتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کے صوبہ پیرو میں بھی ایسے ہی کھنڈر ملتے ہیں۔ اسی لیے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ بہت

پرانے زمانے میں پیرو اور یوکاٹن میں جو لوگ رہتے تھے وہ ترقی کیے ہوئے تھے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ اس وقت ہمیں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ شاید آگے چل کر اس کے متعلق اور بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں۔

یوروپ اور ایشیا، دونوں، کو ملا کر "یوریشیا" کہا جاتا ہے۔ یوریشیا میں سب سے پرانی تہذیب عراق عرب، مصر، کریٹ، ہندوستان اور چین کی ہے۔ آج کل تو مصر افریقہ کے ملک میں شامل سمجھا جاتا ہے، مگر ہم اسے یوریشیا میں داخل کر سکتے ہیں، کیوں کہ وہ (مصر) یوریشیا کے بہت قریب واقع ہے۔

پرانے قبیلے، جو اِدھر اُدھر گھوما کرتے تھے، جب اُنھوں نے کہیں بسنا چاہا ہوگا تو تم بتلا سکتی ہو کہ کس جگہ کو پسند کیا ہوگا؟ اُنھوں نے ایسی جگہ ڈھونڈی جہاں اُن کو خوراک آسانی سے مل سکے۔ اُن کی خوراک کا بڑا حصہ، کھیتی باڑی کے ذریعے سے، زمین میں پیدا ہو سکتا تھا۔ کھیتی باڑی کے واسطے پانی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تم جانتی ہو کہ بغیر پانی کے کھیت سوکھ جاتے ہیں اور اُن میں کچھ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ برسات کے موسم میں جب

ہندوستان میں کافی مینہ نہیں برستا تو اناج بہت کم پیدا ہوتا ہے اور کال پڑجاتا ہے۔ غریب آدمیوں کو کچھ کھانے کو نہیں ملتا اور وہ بھوکوں مرجاتے ہیں۔ اسی لیے پانی کا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ پُرانے زمانے کی بستیاں بسانے والے لوگوں نے ایسی جگہ رہنے کے لیے پسند کی ہوگی جہاں بہت سا پانی ہو، اور ایسا ہی ہوا بھی۔

عراقِ عرب میں یہ لوگ وہاں کے دو بڑے دریاؤں، یعنی دجلہ اور فرات، کے بیچ کے علاقے میں بسے۔ مصر میں اُن کے لیے دریائے نیل تھا ہی۔ ہندوستان میں اُن کے بڑے بڑے شہر دریاؤں، یعنی دریائے سندھ، گنگا اور جمنا، کے کناروں پر آباد تھے۔ اُن کے لیے پانی اتنا ضروری تھا کہ اُنھوں نے ان دریاؤں کو بڑا متبرک سمجھا، کیوں کہ وہ اُن کو بہت سی خوراک اور آرام، آسایش کی چیزیں دیتے تھے۔ مصر میں وہ دریائے نیل کو اپنا باپ کہتے تھے، اور اُس کو پوجتے تھے۔ ہندوستان میں تو تم جانتی ہی ہو کہ گنگا کو اب تک بڑا متبرک سمجھا جاتا ہے اور اُس کی پوجا ہوتی ہے۔ "وہ گنگا مائی"

کہلاتی ہے، اور تم سُنتی ہی ہوگی کہ اب تک "گنگا ماءی کی جے"
پکاری جاتی ہے ۔ ان دریاءوں کے پوجنے کی وجہ آسانی کے ساتھ
سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ انھیں بہت کچھ دیتے تھے ۔ دریا انہیں
صرف پانی ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ وہ اچھی مٹی اور ریت بھی
دیتے تھے، جن سے کھیتوں میں اچھی پیداوار ہوتی تھی ۔ یہ دریا
اور مٹی اور ریت ہی وہ چیزیں تھیں جو اُن کو بہت سی خوراک
پیدا کرکے دیتے تھے ۔ اسی لیے اُن کا دریاءوں کو باپ اور
ماں کہنا اور سمجھنا بالکل ٹھیک تھا ۔ لیکن لوگ اس کو بھول جایا کرتے ہیں
کہ ہم کوءی کام کیوں کرتے ہیں ۔ وہ بغیر سوچے سمجھے دوسروں
کی نقل کیے چلے جاتے ہیں ۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نیل اور گنگا اس
لیے متبرک سمجھے جاتے تھے کہ وہ انہیں پینے کو پانی اور
کھانے کو خوراک دیتے تھے ۔

(۱۹)

پُرانی دنیا کے بڑے بڑے شہر

تم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ لوگ بڑے بڑے دریاؤں کے پاس، اور ایسی گھاٹیوں اور نیچی زمین میں بسے جہاں پیداوار زیادہ ہو سکتی تھی، اور پانی زیادہ مل سکتا تھا، اس لیے خوراک زیادہ پیدا ہو سکتی تھی۔ اُن کے بڑے بڑے شہر دریاؤں کے کناروں پر بسے ہوئے تھے۔ اُن میں سے چند بڑے مشہور پُرانے شہروں کے نام تم نے سُنے ہوئے ہیں۔ عراقِ عرب میں بڑے بڑے شہر بابل، نینوہ اور اشور تھے۔ لیکن مدّتیں ہو گئیں کہ یہ سب شہر اُجڑ گئے۔ جب لوگ وہاں بہت گہری زمین، یا ریت، کھودتے ہیں تو اُن کے نشان ملتے ہیں۔ ہزاروں برس سے اُن کے اوپر اتنی ریت اور مٹی پڑتی چلی آرہی ہے

کہ اُن کے نشان بھی نظر نہیں آتے۔ بعض جگہ اُن پُرانے شہروں کے اوپر اتنی مٹی آگئی ہے کہ اُن ہی پر نئے شہر بس گئے ہیں۔ جو لوگ کہ ان پُرانے شہروں کو ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کو بہت ہی گہری کھُدائی کرنا پڑتی ہے۔ کئی جگہ ایسا ہوا ہے کہ ایک شہر کے کھنڈروں کے نیچے دوسرے شہر کے کھنڈر اور نشان ملے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب وہ شہر بسائے گئے تھے تو ایک دوسرے کے اُوپر تو نہیں بسائے گئے ہوں گے۔ ایک شہر سینکڑوں برس آباد رہا ہوگا، اُس میں لوگ پیدا ہوئے ہوں گے، اور وہ، اُن کے بیٹے، پوتے، پردوتے وہیں مرے ہوں گے۔ آہستہ آہستہ اس شہر کو کسی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ دیا ہوگا اور اُس میں بہت ہی کم آدمی رہ گئے ہوں گے۔ ہوتے ہوتے کوئی بھی آدمی وہاں نہیں رہا ہوگا، اور سارا شہر کھنڈروں کا ڈھیر رہ گیا ہوگا۔ پھر ریت اور مٹی نے ان شہروں کو بھر دیا؛ کوئی آدمی وہاں ہوگا ہی نہیں کہ اس ریت اور مٹی کو ہٹا دیتا۔ کئی سَو برس اس طرح گزر گئے۔

ہوں گے اور ریت اور مٹی نے شہر کو ڈھک لیا ہوگا۔
لوگ بھی اس کو بھول گئے کہ کبھی یہاں کوئی شہر
آباد تھا بھی کہ نہیں۔ سینکڑوں برس بعد نئے لوگ
آئے ہوں گے اور انھوں نے وہیں نیا شہر بسا لیا ہوگا۔
ہوتے ہوتے یہ نیا شہر بھی پرانا ہوگیا ہوگا؛ لوگ اس کو
چھوڑ بھاگے ہوں گے، اور وہ بھی کھنڈر بن گیا۔ ہوتے ہوتے
یہ بھی ریت اور مٹی سے اٹ کر غائب ہوگیا ہوگا۔ اسی لیے
کئی شہر ایسے ملتے ہیں کہ ایک کے اوپر دوسرے کے کھنڈر
ہیں۔ ایسے شہر وہاں ملتے ہیں جہاں ریت زیادہ ہوتا ہے؛
کیوں کہ ریت ہی ایسی چیز ہے جو اڑ اڑ کر بہت جلد
جگہ کو بھر دیتا ہے۔

کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک شہر کے بعد
دوسرا شہر آباد ہوا، اس میں سینکڑوں، ہزاروں، بلکہ
لاکھوں، مرد، عورتیں اور بچّے بسے؛ اور ہوتے ہوتے نہ
ان شہروں کا نشان رہا، نہ وہاں کے بسنے والے آدمیوں
کا۔ جہاں پرانے شہر تھے وہیں پھر نئے شہر بسے؛ ان

میں بھی ہزاروں، لاکھوں آدمی نئے آباد ہوئے۔ وہ بھی مر گئے؛ اور اپنا اور اپنے شہر کا نام اور نشان بھی نہیں چھوڑ گئے؛ میں نے تو ان شہروں کا ذکر دو چار فقروں میں کر دیا؛ مگر ذرا سوچو تو سہی کہ ان شہروں کے بننے اور بگڑنے، اور وہیں دوسرے شہروں کے بسنے، میں کتنے ہزار برس لگے ہوں گے۔ جب کوئی آدمی ستّر، یا اسّی برس کا ہو جاتا ہے تو ہم اُسے بُوڑھا کہنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن ہزاروں برس کے سامنے یہ ستّر، اسّی برس کیا چیز ہیں۔ جب یہ شہر آباد ہوں گے تو اُن میں نہ معلوم کتنے چھوٹے چھوٹے بچّے بُوڑھے ہو کر مرے ہوں گے۔ اُن کی کتنی پیڑھیاں اسی طرح گزری ہوں گی۔ اب تو بابل اور نینوہ کا ہمارے واسطے صرف نام ہی نام کتابوں میں رہ گیا ہے ؛

ایک اور پُرانا شہر، شام کے ملک میں، دمشق ہے؛ مگر وہ ابھی تک ویران نہیں ہوا۔ وہ اب تک موجود ہے اور بڑا آباد شہر ہے۔ بعضے آدمی تو یہ کہتے ہیں کہ آج کل تو دُنیا بھر میں شاید سب سے پُرانا شہر دمشق ہی ہے ؛

ہندوستان میں بھی ہمارے بڑے شہر دریاؤں ہی کے کنارے بسے ہوئے ہیں۔ ان بہت ہی پرانے شہروں میں سے ایک شہر اندر پرست تھا، جو دہلی کے کہیں آس پاس آباد تھا۔ لیکن اب وہ بھی نہیں رہا۔ بنارس، یا کاشی، بھی بہت پرانا شہر ہے۔ شاید دنیا کے بہت ہی پرانے شہروں میں سے جو آج کل موجود ہیں، ایک شہر ہے۔ الہ آباد، کان پور اور پٹنہ، اور ان کے علاوہ اور شہر بھی، جن کے نام تمھیں معلوم ہوں گے، سب کے سب دریاؤں ہی کے کناروں پر بسے ہوئے ہیں۔ لیکن بہت پرانے شہر نہیں ہیں۔ پریاگ، جو الہ آباد کہلاتا ہے، اور پاٹلی پُتر، جو اب پٹنہ کہلاتا ہے، خاصے پرانے شہر ہیں۔

چین میں بھی پرانے شہر ہیں۔

(۲۰)

مصر اور کریٹ

پُرانے زمانے کے پُرانے شہروں اور گانوؤں میں کس طرح کے لوگ رہتے تھے؟ ان کا کچھ حال ہم اُن کے بناءے ہوءے مکانوں اور عمارتوں سے معلوم کرسکتے ہیں۔ اُن پتّھروں سے بھی اُن کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے، جن پر وہ کچھ لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ اُس زمانے کی بہت سی پُرانی کتابیں بھی ایسی رہ گئی ہیں، جو اُن کا بہت کچھ حال بتلاتی ہیں۔

مصر میں اب بھی بڑی بڑی بنیادیں، اور ایک عمارت، جس کو "ابوالہول" (ڈر کا باپ) کہتے ہیں، موجود ہیں۔ ان کے علاوہ وہیں کے ایک پُرانے شہر "لکسور" اور دوسرے مقامات میں بڑے بڑے مندروں کے کھنڈر

پڑے ہوئے ہیں۔ تم نے ان کو نہیں دیکھا، مگر جب ہم سُویز کی نہر سے گذرے تھے، تو وہاں سے یہ مندر بہت دُور نہیں تھے۔ تم نے اُن کی تصویریں تو دیکھی ہی ہیں، اور غالبًا تمھارے پاس اب بھی وہ پوسٹ کارڈ رکھے ہیں، جن پر اُن کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ "ابوالہول" کا سر اور چہرہ تو عورت کا سا ہے، اور باقی دھڑ شیر کا سا۔ یہ بہت ہی بڑا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کیوں بنایا گیا تھا، اور اُس کا کیا مطلب تھا۔ ابوالہول کا جو چہرہ عورت کا سا ہے اُس چہرے پر کچھ عجیب سی مُسکراہٹ ہے۔ جو کوئی اُسے دیکھتا ہے اُسے تعجب ہوتا ہے کہ وہ عورت کس بات سے مُسکرا رہی ہے۔ اسی لیے اگر کسی آدمی کو انگریزی میں یہ کہا جائے کہ "وہ ابوالہول جیسا ہے" تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تم اُس آدمی کو نہیں سمجھیں کہ وہ کیسا ہے۔

مصر کے مینار بھی بہت بڑی عمارتیں ہیں۔ اصل میں یہ مصر کے بادشاہوں کی قبریں ہیں۔ مصر کے

بادشاہوں کو فرعون کہتے ہیں۔ کیا تمھیں یاد ہے کہ تم نے لنڈن کے بڑے عجائب خانے میں مصر کی مومیاءی دیکھی تھیں؟ مومیاءی کسی آدمی، یا جانور، کی لاش کو کہتے ہیں۔ لاش کو تیل اور بہت سے مسالے لگاکر اس طرح بنا لیا جاتا تھا کہ وہ سڑتی گلتی نہیں تھیں۔ جب کوءی فرعون مرتا تھا، تو اُس کی لاش کو مومیاءی کرلیا جاتا تھا؛ اور پھر اُس کو اِن میناروں، یا قبروں کے اندر رکھ دیا جاتا تھا۔ اُن کے پاس ہی سونے اور چاندی کے زیور، گھر میں کام آنے والی چیزیں اور کھانا رکھ دیا جاتا تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ مرنے کے بعد اُن کو ان سب چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ ابھی آٹھ دس برس ہوءے کہ کچھ آدمیوں نے اِن ہی میناروں میں سے ایک میں، ایک فرعون کی مومیاءی کی ہوءی لاش ڈھونڈھ نکالی ہے۔ اس فرعون کا نام "توتن خامن" تھا۔ اُس کی مومیاءی کے پاس بہت سی خوب صورت اور قیمتی چیزیں بھی رکھی ملی تھیں۔

اُن دنوں مصر والوں نے کھیتوں میں پانی دینے کے

لیے اچھی اچھی نہریں، جھیلیں اور تالاب بنائے تھے۔ اُن کی کھودی ہوئی خاص کر ایک جھیل بہت مشہور تھی، جس کا نام "میریڈو" تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پُرانے زمانے کے مصر والے کیسے عقل مند اور ترقی کیے ہوئے لوگ تھے۔ اُن کے یہاں بڑے ہی اچھے انجینئر ہوں گے، جنھوں نے ایسی اچھی نہریں، جھیلیں اور مینارین بنادیں۔

کریٹ، جس کو کینڈ یا اور قریطش بھی کہتے ہیں، بحر روم کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جب ہم پورٹ سعید سے وینس جارہے تھے تو اُس کے پاس سے گزرے تھے۔ پُرانے زمانے میں اس چھوٹے سے جزیرے میں اچھی تہذیب اور تمدّن تھا۔ اس جزیرے میں ایک جگہ نوسوس ہے؛ وہاں ایک بہت بڑا محل تھا۔ اس کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ اس محل میں حمّام اور پانی کے نل تھے۔ بعضے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ نل آج کل کے زمانے ہی میں نکلے ہیں، پہلے نہیں ہوتے تھے! بہت سے مٹی کے برتن، پتھر کی نقّاشی کی چیزیں اور تصویریں اور دھات اور ہاتھی دانت کی بنی ہوئی اچھی اچھی

اور نازک چیزیں نکلی ہیں۔ اس چھوٹے سے جزیرے میں لوگ امن و امان کے ساتھ رہتے تھے اور اُنھوں نے بڑی ترقی کی تھی ؛

تم نے بادشاہ میڈاس کا قصّہ پڑھا ہوگا کہ اُس کو اس لیے بڑی تکلیف اُٹھانی پڑی تھی کہ جس چیز کو وہ چھُو دیتا تھا وہ سونے کی بن جاتی تھی ؛ وہ کچھ کھا بھی نہیں سکتا تھا؛ کیوں کہ اُس کا کھانا بھی سونے کا بن جاتا تھا۔ سونا بھی کہیں کھانے کی چیز ہے؟ اُس کو اُس کے لالچ کی یوں سزا ملی تھی۔ یہ ہے تو یوں ہی ایک خیالی کہانی ؛ مگر اُس کہانی کا مطلب تو صرف یہ بتلانا ہے کہ سونا ایسی اچھی، یا فائدے کی چیز نہیں ہے، جیسا کہ لوگ سمجھے ہوئے ہیں ؛

کریٹ کے بادشاہوں کو "مینامس" کہتے تھے۔ وہیں کی ایک اور کہانی بھی تم نے سُنی ہوگی۔ یہ منو تور کی کہانی ہے، جس کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا خوف ناک دیو تھا۔ اُس کا آدھا بدن آدمی کا سا تھا اور آدھا بیل کا سا۔ کہتے ہیں کہ اس دیو کے کھانے کے لیے جوان جوان مرد، اور جوان جوان

لڑکیاں دی جاتی تھیں! میں پہلے تمھیں بتلا چکا ہوں کہ مذہب کا خیال پہلے پہلے کسی نامعلوم چیز کے ڈر سے پیدا ہوا تھا۔ لوگ خدا کی قدرت کو نہیں جانتے تھے، نہ اُن باتوں کو سمجھتے تھے، جو ہمارے ارد گرد ہر وقت ہوتی، بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔ لوگوں کو ڈر تو ہر وقت لگا ہی رہتا تھا؛ اس لیے وہ بہت سی بے وقوفی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں بھی اس ڈر کی وجہ سے بھینٹ چڑھائی جاتی ہوں، مگر یہ بھینٹ اس دیو پر تو کیا (کیوں کہ میرے نزدیک تو ایسا دیو کبھی تھا ہی نہیں) بلکہ کسی نامعلوم دیوتا پر چڑھائی جاتی ہوں گی۔

اُس پرانے زمانے میں تمام دنیا میں آدمی کی قربانی، یا بھینٹ، ہوتی تھی؛ یعنی مردوں اور عورتوں کو اُن خیالی چیزوں کے سامنے مار ڈالا جاتا تھا، جن سے لوگ ڈرتے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس بھینٹ کا خون، ہڈی، غرض سب کچھ ان دیوؤں کے کھانے کے لیے پہنچ جاتا ہے۔ یہی اُن کی پوجا تھی۔ مصر میں لڑکیوں کو دریائے نیل میں ڈال دیا جاتا تھا، اور یہ سمجھا جاتا

تھا کہ اس سے "باپ نیل" خوش ہوگا۔

خوش قسمتی سے اب انسانی قربانی نہیں کی جاتی؛ اگر کی جاتی ہوگی تو دنیا کے کسی نا معلوم کونے میں۔

(۲۱)

چین اور ہندوستان

تم کو معلوم ہوچکا ہے کہ عراق عرب، مصر اور بحر روم کے چھوٹے سے جزیرے "کریٹ" میں تہذیب اور تمدّن پیدا ہوا اور پھلا، پھولا اور پھیلا۔ اسی زمانے میں چین اور ہندوستان میں بڑی تہذیب شروع ہوئی، اور اپنے طور طریقے سے بڑھی۔

اور جگہوں کی طرح، چین میں بھی لوگ بڑے بڑے دریاؤں ہی کے قریب کی نیچی زمین میں بسے۔ یہ لوگ وہی تھے جو آج کل منگول کہلاتے ہیں۔ انھوں نے پہلے پیتل کے اور پھر لوہے کے خوب صورت برتن بنائے، نہریں کھودیں، بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں، لکھنے کا نیا طریقہ نکالا۔ اُن کے

لکھنے کا طریقہ، ہماری ہندی، یا انگریزی، یا اُردو سے بالکل الگ تھا۔ یہ ایک قسم کی "تصویروں والی" لکھائی تھی۔ ایک لفظ، اور بعض وقت ایک پورے فقرے کی، ایک ہی تصویر ہوتی تھی۔ پُرانے زمانے کے مصر، کریٹ اور بابِل والے اسی قسم کی تصویری لکھائی سے کام لیتے تھے۔ آج کل اس کو "تصویری رمزی تحریر" کہا جاتا ہے۔ تم نے یہ لکھائی عجائب خانوں، یا کسی کتاب، میں ضرور دیکھی ہوگی۔ مصر اور یوروپ میں یہ لکھائی صرف بہت ہی پُرانی عمارتوں پر نظر آتی ہے۔ اب تو مدتیں گزر گئیں، کسی نے اس لکھائی سے کام نہیں لیا۔ مگر چین میں اب بھی جو لکھائی ہے وہ ایک قسم کی تصویری رمزی لکھائی ہی ہے، جو اوپر سے نیچے کو لکھی جاتی ہے، نہ کہ بائیں طرف سے داہنی طرف کو، جیسے انگریزی، یا داہنی طرف سے بائیں طرف کو، جیسے اُردو، لکھی جاتی ہے۔

ہندوستان میں بہت سی بہت ہی پُرانی عمارتیں اب بھی زمین، یا ریت میں دبی ہوئی پڑی ہیں۔ وہ ہماری آنکھوں سے اُس وقت تک چھپی رہیں گی کہ جب تک کوئی اُنھیں

کھود نہ نکالے۔ تھوڑے سے بہت پرانے کھنڈر شمالی ہندوستان
میں نکال لیے گئے ہیں۔ ہم اتنا تو جانتے ہیں کہ بہت زمانہ
گزرا۔ آریوں کے یہاں آنے سے بھی پہلے۔ یہاں ایک
قوم رہتی تھی، جو دراوڑ کہلاتے تھے۔ ان دراوڑوں کی تہذیب
بھی اچھی تھی۔ یہ لوگ دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے
تھے۔ اپنا کئی قسم کا مال عراق عرب اور مصر بھیجتے تھے۔
سمندروں کے راستے سے، خاص کر چاول اور گرم مسالا،
جیسے کالی مرچ وغیرہ، اور ساگوان کی لکڑی، مکان بنانے
کے لیے ہندوستان سے ڈھی بھیجتے تھے۔ کہتے ہیں کہ عراق عرب میں
ایک شہر "ار" تھا، اس کے محل اس ساگوان کی لکڑی سے
بنے، جو دکھن کے ملک سے وہاں گئی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ
سونا، موتی، ہاتھی دانت، مور اور بندر ہندوستان ہی سے یوروپ
بھیجے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں ہندوستان
اور دوسرے ملکوں کے آپس میں خوب تجارت ہوتی تھی۔ تجارت
تو اسی وقت بڑھتی ہے جب لوگ تہذیب یافتہ ہو رہے ہوں؛
ان دنوں ہندوستان اور چین میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں،

یا حکومتیں تھیں۔ ان میں سے کوئی ملک بھی کسی ایک بادشاہ کا نہ تھا۔ ہر ایک چھوٹا سا شہر، جس میں تھوڑے سے کھیت اور گاؤں ہوتے تھے، ایک الگ ریاست ہوتی تھی۔ یہ "شہری ریاستیں" کہلاتی ہیں۔ اُس پرانے زمانے میں بھی ان ریاستوں میں ری پبلک (پنچایتی) حکومت تھی بادشاہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ پنچ چُن لیے جاتے تھے، وہ ہی اس ریاست پر حکومت کرتے تھے۔ اُن میں بعض جگہ حکومتیں بھی تھیں۔ اگرچہ شہری ریاستوں میں الگ الگ حکومتیں تھیں، مگر وہ بعض وقت ایک دوسرے کی مدد بھی کیا کرتی تھیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی بڑی ریاست کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی سردار بھی بن جاتی تھی:

کچھ دنوں بعد چین میں ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جگہ ایک بڑی حکومت قائم ہوگئی؛ جو ایک بڑی سلطنت تھی۔ اسی سلطنت کے زمانے میں چین کی بڑی مشہور بڑی دیوار بنی تھی۔ تم نے اس بڑی دیوار کا حال پڑھا ہے۔ تمھیں معلوم ہی ہوگا کہ یہ دیوار کتنی بڑی اور عجیب چیز ہے۔ یہ دیوار وہاں کے سمندر سے لے کر بڑے اونچے پہاڑوں تک، جو چین کے شمال میں ہیں،

چلی گئی ہے ۔ یہ اس واسطے بناءی گئی تھی کہ منگولی قوم کے
لوگ چین میں نہ آسنے پاءیں ۔ یہ دیوار ایک ہزار چار سو میل
لمبی، بیس سے تیس فٹ تک اونچی اور پچیس فٹ چوڑی
ہے ۔ اس میں تھوڑی تھوڑی دور پر قلعے اور برج بنے ہوئے
ہیں ۔ یہ دیوار اتنی لمبی ہے کہ اگر ہندوستان میں بناءی جاءے
تو لاہور سے مدراس تک پہنچے ۔ یہ بڑی دیوار اب تک موجود
ہے ۔ اگر تم کبھی چین جاءو تو ضرور دیکھنا ؛

(۲۲)

سمندر کا سفر اور تجارت

پرانے زمانے کی قوموں میں سے ایک قوم فِنیشین (فی نی شی ین) بڑی دل چسپ قوم تھی۔ یہ اُسی نسل کے لوگ تھے جس کے عرب اور یہودی ہیں۔ یہ لوگ ایشیا کوچک کے مغربی کنارے پر رہتے تھے۔ آج کل یہ علاقہ ٹرکی کہلاتا ہے۔ اُن کے بڑے شہر عکّہ، صُور، یا ٹائر اور صیدا، یا سِڈون تھے، جو بحرِ روم کے کنارے پر آباد تھے۔ یہ لوگ اس واسطے زیادہ مشہور ہیں کہ اُنھوں نے تجارت کے لیے سمندروں میں بڑے لمبے لمبے سفر کیے تھے۔ وہ بحرِ روم سے ہوکر سمندر ہی سمندر انگلستان تک پہنچے تھے۔ وہ شاید ہندوستان بھی آئے ہوں۔

یہاں سے دو بڑی مزے دار چیزیں شروع ہوئیں:

ایک سمندر کا سفر، اور دوسرے تجارت۔ ایک نے دوسرے کو مدد دی۔ اس میں شک نہیں کہ اُن دنوں ایسے اچھے اچھے آگ بوٹ اور جہاز نہیں تھے، جیسے کہ آج کل تم دیکھ رہی ہو۔ پہلی کشتی جو بنی ہوگی وہ کسی بڑے درخت کا تنہ ہوگا، جس کو بیچ میں سے کھود کر خالی کرلیا گیا ہوگا۔ یہ کشتیاں چپّوؤں سے چلائی جاتی ہوں گی، اور کبھی کبھی ہوا کے زور کے لیے بادبان سے بھی کام لیا جاتا ہوگا۔ اُن دنوں سمندر کے سفر میں مزہ آتا ہوگا، مگر بڑا جوکھم بھی ہوگا۔ ذرا خیال تو کرو کہ بحیرۂ عرب کو چھوٹی سی کشتی میں، جو چپّوؤں اور بادبان سے چلتی ہو، پار کرنے میں کیا حال ہوتا ہوگا! کشتی اتنی چھوٹی ہوتی ہوگی کہ اُس میں ہلنا جلنا مشکل ہوگا، اور تھوڑی ہی سی ہوا میں وہ اوپر نیچے ہوجاتی اور غوطے کھانے لگتی ہوگی؛ اور کبھی کبھی ڈوب بھی جاتی ہوگی۔ جو لوگ دل کے مضبوط ہوتے ہوں گے وُہی اُس کشتی میں بیٹھ کر سمندر میں جاتے ہوں گے۔ سارا سفر خطروں ہی میں گزرتا ہوگا۔ اُن پہ مہینوں ایسے گزر جاتے ہوں گے کہ خشکی کی

صورت بھی نظر نہ آتی ہوگی۔ اگر کہیں سفر کے درمیان ہی کھانا دانہ کم ہو جاتا ہوگا تو بیچ سمندر میں کچھ ملتا ہی نہ ہوگا۔ مچھلیاں پکڑ لیتے ہوں گے' یا کسی چڑیا کا شکار کر کے پیٹ پالتے ہوں گے۔ سمندر کیا ہے؟ بالکل جان کا کھیل ہے' اور عجیب عجیب چیزوں اور باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ پُرانے زمانے کے ملّاحوں پر سمندر میں جو عجیب عجیب معاملے گزرے ہیں اُن کی کہانیاں مشہور ہی ہیں ؛

لیکن ان خطروں پر بھی لوگ سمندر کے پار جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ تو صرف سیر' تماشے اور عجیب باتیں دیکھنے ہی کے لیے سمندر کا سفر کرتے ہوں گے؛ مگر سب سے زیادہ وہ لوگ ہوتے ہوں گے جن کو سونا اور روپیہ کمانے کا شوق ہوتا ہوگا۔ وہ تجارت کے لیے جاتے تھے۔ مال خریدتے تھے اور بیچتے تھے؛ اور یوں دولت کماتے تھے ؛

تجارت کیا ہے اور وہ کس طرح شروع ہوئی ہے؟ آج تو تم بڑی بڑی دوکانیں دیکھتی ہو۔ ان دوکانوں پر

جاکر جس چیز کی ضرورت ہو خرید لانا بہت آسان کام ہے. تم نے کبھی اس کو بھی سوچا کہ جو چیز تم خرید کر لاتی ہو، وہ کہاں سے آتی ہے؟ تم الہ آباد کی کسی دوکان پر سے ایک اُونی شال خرید لاتی ہو. وہ کشمیر سے الہ آباد تک، اتنا لمبا راستہ طے کر کے، آیا ہوگا. اس کا اُون کشمیر کے پہاڑوں، یا لداخ کی بھیڑوں کی کمر سے کاٹا گیا ہوگا. تُم جو ایک منجن خریدتی ہو، وہ جہاز اور ریل پر لدکر امریکہ سے آیا ہوگا. اسی طرح تم چین، جاپان، پیرس، یا لنڈن کی بنی ہوئی چیزیں بھی خرید سکتی ہو. مگر ذرا کپڑے کے ایک ٹکڑے پر تو غور کرو، جو ہندوستان کے باہر کسی ملک کا بنا ہوا ہوتا، اور یہاں آکر بازار میں بکتا ہے. (روئی ہندوستان میں پیدا ہوئی، اور وہ انگلستان بھیجی گئی. ایک بہت بڑے کپڑے کے کارخانے نے اس روئی کو خریدا، صاف کیا، اُس کا سُوت بنایا اور کپڑا بُنا. پھر یہ روئی کپڑے کی صُورت میں ہندوستان واپس آئی، اور بازاروں میں بکی. ذرا خیال تو کرو کہ اس روئی کو ہندوستان سے انگلستان جانے اور آنے میں کتنے

ہزار میل کا سفر طے کرنا پڑا ہوگا، تب وہ واپس ہندوستان کے بازار میں بکنے کے لیے پہنچی ہوگی! صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنی بڑی بے وقوفی کی بات ہے کہ رُوئی جو ہندوستان میں پیدا ہوئی، اتنی دور انگلستان میں جائے، وہاں کپڑا بُنا جائے اور پھر واپس ہندوستان میں آجائے۔ اس میں کتنا بے فائدہ وقت، روپیہ اور محنت خرچ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہندوستان کی رُوئی کا کپڑا ہندوستان ہی میں بنے تو زیادہ سستا اور اچھا ہوگا۔ تم جانتی ہو کہ ہم تم تو ہندوستان کے باہر کا بُنا ہوا کپڑا نہ خریدتے ہیں نہ پہنتے ہیں، بلکہ ہم کھدّر ہی پہنتے ہیں؛ کیوں کہ جہاں تک ہوسکے اپنے ہی ملک کی بنی ہوئی چیزیں خریدنا اور اُن کو کام میں لانا زیادہ عقل مندی کی بات ہے۔ ہم اس واسطے اور بھی کھدّر خریدتے اور پہنتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے ہم اپنے ملک کے اُن غریبوں کی مدد کرتے ہیں، جو اس کی رُوئی کو کاتتے اور بنتے ہیں۔

میرے اس لکھنے سے تمھیں معلوم ہوا ہوگا کہ اس وقت تجارت بہت پیچیدہ چیز ہوگئی ہے۔ بڑے بڑے جہاز

ایک مُلک کا مال دوسرے مُلک میں لے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات ہمیشہ سے نہیں ہوتی آئی تھی۔

شروع شروع کے دنوں میں، جب آدمی ایک جگہ آباد ہی ہوا ہے، تو بہت ہی تھوڑی سی تجارت ہوتی تھی۔ جس چیز کی آدمی کو ضرورت ہوتی تھی وہ خود حاصل کرتا، یا بناتا تھا۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ اُس زمانے میں بہت سی چیزوں کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی۔ پھر، جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں، ہر قبیلے میں محنت کی تقسیم شروع ہوگئی تھی، لوگ مختلف قسم کے کام کرتے تھے اور مختلف چیزیں بنا لیتے تھے۔ بعض وقت یہ ہوتا ہوگا کہ ایک قبیلے کے پاس ایک ہی قسم کی بہت سی چیزیں ہوتی ہوں گی، اور دوسرے قبیلے کے پاس دوسری طرح کی اور چیزیں۔ اُن کے لیے یہ ضروری ہوتا ہوگا کہ مال کو ایک دوسرے سے بدل لیں۔ یوں سمجھو کہ ایک قبیلے کے پاس گائے ہے، اور اناج نہیں۔ وہ گائے کو ایک بورے اناج سے بدل لیتا ہوگا۔ اُن دنوں روپیہ تو ہوتا ہی نہیں تھا۔ چیزوں کی چیزوں سے بدلائی

ہوتی تھی۔ اسی سے بدلائی شروع ہوئی۔ لیکن یہ طریقہ بڑی تکلیف دینے والا ہوتا ہوگا۔ ایک بورا اناج یا اسی قسم کی کوئی اور چیز لینے کے واسطے ایک گائے، یا کئی بھیڑوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا ہوگا! لیکن اس پر بھی تجارت نے ترقی کی ؛

جب سونا اور چاندی معلوم ہوگئے، تو لوگوں نے اُن سے تجارت میں کام لینا شروع کیا۔ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اُٹھاکر لے جانا آسان تھا۔ آہستہ آہستہ یہ رواج ہوگیا کہ چیزوں کے بدلے میں سونا، یا چاندی دے دی جاتی تھی۔ جس شخص نے یہ تدبیر سوچی ہوگی وہ واقعی بڑا عقلمند آدمی ہوگا! چیزوں کے بدلے میں سونا اور چاندی کے اس طرح کام میں لانے سے تجارت میں بہت آسانی پیدا ہوگئی۔ پھر بھی آج کل کی طرح سکّہ نہیں تھا۔ سونا ترازو میں تول کر دوسرے آدمی کو دے دیا جاتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد سکّہ بنا، اور اس سے تجارت کی بدلائی ختم ہوگئی؛ اور چیزوں کے خریدنے اور بیچنے میں اور بھی زیادہ آسانی ہوگئی۔ تولنے

کی ضرورت بھی نہیں رہی، کیونکہ ہر شخص کو سکّے کی قیمت معلوم تھی۔ اب تو ہر جگہ روپئے سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ روپیہ خود کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ہمیں صرف یہ مدد دیتا ہے کہ جو چیز ہم چاہیں اُس سے خرید سکتے ہیں۔ غور کرو تو وہ صرف مال کی بدلائی میں ہمیں مدد دیتا ہے۔ تمھیں میڈاس بادشاہ کی کہانی یاد کرنی چاہیئے کہ اُس کے پاس بہت سا سونا تھا، مگر کھانے کو کچھ نہ تھا۔ اسی طرح جب تک کہ ہم روپیے کو اپنی ضرورت کی چیز لینے کے کام میں نہ لائیں، خود روپیہ ایک بےکار چیز ہے۔

اب بھی کہیں کہیں گاؤں میں یہ پاؤ گی کہ بعض وقت لوگ مال سے مال بدلتے ہیں، اور روپیہ نہیں دیتے مگر عام طور پر روپیے کا ہی چلن ہے، کیوں کہ روپیہ دے دینے میں زیادہ آسانی ہے۔ بعض بے وقوف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روپیہ ہی اچھی چیز ہے؛ وہ روپیہ پیدا کرتے ہیں اور اُسے جمع کر رکھتے ہیں، اور اُس سے کوئی کام نہیں لیتے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ روپیے کا چلن کیسے ہوا اور وہ حقیقت میں کیا چیز ہے؟

(۲۳)

بولی، لکھائی اور گنتی

ہم پہلے مختلف زبانوں (بولیوں) کا ذکر کر چکے، اور یہ بتلا چکے ہیں کہ ایک زبان کا دوسری زبان سے کیا رشتہ ہے۔ آؤ اب تھوڑی دیر کے لیے، اس کو سوچیں کہ بولیاں کس طرح شروع ہوئیں:

ہم بعض جانوروں میں یہ پاتے ہیں کہ وہ کچھ لفظوں کو کام میں لاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سادہ باتوں کے لیے بندر چند چیخوں سے کام لیتا ہے، جن کو ہم لفظ کہہ سکتے ہیں:

تم یہ بھی معلوم کر سکتی ہو کہ جب جانور ڈر جاتے اور اپنے بھائیوں کو خطرے کا سبب بتلانا چاہتے ہیں تو اُن کی چیخیں، یا آوازیں، ایک خاص قسم کی ہوتی ہیں:

شاید آدمیوں میں اسی طریقے سے بولیاں شروع ہوئی ہوں:

یعنی خطرے کے وقت کچھ خاص آوازیں ۔ پھر شاید ایسی آوازیں ہوتی ہوں گی جو "مزدوروں کی آوازیں" کہی جا سکتی ہیں۔ جب بہت سے آدمی ایک ہی ساتھ، کسی ایک ہی کام کو کرتے ہیں، تو سب مل کر ایک طرح کا شور کرتے ہیں۔ کیا تم نے بہت سے آدمیوں کو کسی چیز کو کھینچتے ہوئے، یا کسی بڑے بھاری بوجھ کو اُٹھاتے نہیں دیکھا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن سب کا ساتھ مل کر شور مچانا، یا چیخنا، اُن کو کچھ مدد دیتا ہے۔ یہ "مزدوروں کی سی آوازیں" ہی انسانوں کے پہلے لفظ ہوں گے جن سے اُنھوں نے پہلے کام لیا ہوگا۔

آہستہ آہستہ اُنھیں کچھ اور لفظ بنانے، یا بولنے آ گئے ہوں گے؛ یہ لفظ بڑے سادہ اور آسان ہوں گے، جیسے پانی، آگ، گھوڑا، بھالو۔ غالباً پہلے لفظ اسم (نام) ہی ہوں گے، فعل نہ ہوں گے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہنا چاہتا ہوگا کہ اُس نے ایک بھالو دیکھا ہے، تو وہ بچّوں کی طرح ایک لفظ "بھالو" کہہ کر بھالو کی طرف اشارہ کر دیتا ہوگا۔ اُس وقت بات چیت تو بہت ہی کم ہوتی ہوگی۔

زبان نے آہستہ آہستہ ترقی کی۔ پہلے چھوٹے چھوٹے اور پھر بڑے بڑے فقرے اُنھیں بنانے آئے ہوں گے۔ غالباً کسی وقت بھی ایسا نہیں ہوا کہ مختلف آدمیوں کی ایک ہی زبان رہی ہو۔ لیکن پھر تھوڑے دنوں کے بعد بھی بہت سی زبانیں نہیں ہوں گی۔ جیسا کہ میں تمھیں پہلے بتلا چکا ہوں اُس وقت تھوڑی سی زبانیں ہوں گی؛ اُن میں سے ہر ایک نے ترقی کی، اور ایک ہی زبان کی کئی شاخیں ہو گئیں۔

جس پرانی تہذیب کے زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس زمانے میں زبانوں نے بہت ترقی کر لی تھی۔ بہت سے گیت بن گئے تھے اور بھاٹ اور گانے والے اُن گیتوں کو گاتے تھے، اُن دنوں نہ لکھائی بہت تھی، نہ بہت کتابیں؛ اس لیے لوگوں کو بہت چیزیں زبانی یاد کرنی پڑتی ہوں گی؛ تک بندیوں اور نظموں کو یاد کر لینا آسان ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن ملکوں میں شروع شروع میں تہذیب تھی، وہاں تک بندی اور گیت زیادہ پسند کیے جاتے تھے۔

بھاٹوں اور گانے والوں کو مرے ہوئے بہادروں کی

بہادری کے گیت گانے کا خاص کر شوق تھا۔ اُس زمانے کے آدمیوں کو سب سے زیادہ لڑائیوں میں مزہ آتا تھا، اسی لیے اُن کے گیت بھی لڑائیوں میں بہادری دکھلانے کے ہیں۔ ہم ہندوستان میں یہی پاتے ہیں، اور اور ملکوں میں بھی۔

لکھائی کے شروع ہونے کا قصّہ بھی بڑا مزے دار ہے۔ میں چین کی لکھائی کا حال بتلا چکا ہوں۔ جتنی لکھائیاں ہیں سب تصویروں ہی سے شروع ہوئی ہوں گی۔ اگر کوئی آدمی مور کی کوئی بات لکھنا چاہتا ہوگا تو وہ مور کی تصویر، یا خاکہ بنا دیتا ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس طرح بہت زیادہ بات نہیں لکھی جا سکتی۔ آہستہ آہستہ تصویریں زیادہ سیدھی سادی، ایک طرح کی نشانیاں ہی ہوتی ہوں گی۔ اس کے بہت زمانہ بعد الف، بے، کے خیال آیا ہوگا، اور کسی نے اُس کو بنایا ہوگا۔ اس سے لکھنا بہت آسان ہو گیا ہوگا، اور اس میں ترقی بھی بہت جلدی ہی ہوئی ہوگی۔

یہ گنتی اور ہندسوں کا نکلنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اس وقت یہ سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ ہندسوں کے بغیر تجارت کا

کام کیسے چلتا ہوگا ۔ جس شخص نے ہندسے نکالے ہوں گے وہ بڑے دماغ کا اور بڑا عقل مند آدمی ہوگا ۔ یوروپ میں جن ہندسوں کا پہلے چلن تھا وہ بڑے بے ڈول سے ہوتے تھے ۔ تم جانتی ہو کہ جو ہندسے رومن کہلاتے ہیں وہ اس طرح لکھے جاتے تھے :-

I, II, III, IV, V, VI, VII, VIII, IX, X وغیرہ یہ بڑے بے ڈول اور بے ڈھنگے سے ہیں اور ان کو کام میں لانا بڑا مشکل ہے ۔ جو ہندسے آج کل سارے یوروپ کی زبانوں میں لکھے جاتے ہیں، یعنی :

1, 2, 3, 4, 5, 6, 7, 8, 9, 10 وغیرہ،

وہ رومن ہندسوں سے بہت اچھے اور لکھنے میں آسان ہیں، یہ عربی ہندسے کہلاتے ہیں، کیوں کہ یوروپ کے لوگ ان ہندسوں سے عربوں کی وجہ سے واقف ہوئے تھے ۔ لیکن خود عربوں نے اُن کو ہندوستان سے سیکھا تھا ۔ اس لیے ان کو ہندوستانی ہندسے کہنا زیادہ صحیح ہوگا ۔

لیکن میں تو بہت تیز دوڑا جارہا ہوں ۔ ابھی تو ہم عربوں تک پہنچے بھی نہیں ۔

(۲۴)

مختلف درجوں کے آدمی

چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں اور سیانوں کو تاریخ کا علم عجیب طرح پڑھایا جاتا ہے۔ وہ بادشاہوں اور اور لوگوں کے نام یاد کر لیتے ہیں، یہ جان لیتے ہیں کہ لڑائیاں کن کن تاریخوں میں ہوئی تھیں، اور ایسی ہی اور باتیں اُنھیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ تو یقینی بات ہے کہ جس چیز کو تاریخ کہتے ہیں، وہ صرف لڑائیاں اور اُن چند آدمیوں کا، جو بعد کو بادشاہ، یا سپہ سالار ہو گئے، نام یاد کر لینا نہیں ہے۔ تاریخ کے علم کا تو یہ کام ہے کہ وہ ہمیں یہ بتلائے کہ ملک میں کون آدمی بستے تھے، وہ کیسے رہتے سہتے تھے، کیا کرتے تھے، کیا کیا باتیں سوچا کرتے تھے۔ تاریخ کو یہ بھی بتلانا چاہیے کہ وہ لوگ کن باتوں سے خوش

ہوتے تھے اور کن سے ناخوش ؛ اُن پر کیا کیا مشکلیں پڑیں ، اور ان کا اُنھوں نے کیا علاج کیا ۔ اگر ہم تاریخ کو اس طرح پڑھیں تو ہم اس سے بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں ۔ اگر ہم پر بھی وہی مشکلیں اور تکلیفیں پڑیں ، تو ہم کو اپنا تاریخ کا پڑھنا اُن مشکلوں اور تکلیفوں کے رفع کرنے میں مدد دے ۔ اگر ہم گزرے ہوئے زمانے کی تاریخ کو پڑھیں تو وہ ہم کو خاص طور پر یہ معلوم کرنے میں مدد دے گی کہ لوگوں کی حالت اچھی ہوتی گئی تھی ، یا بری ؛ اُنھوں نے کچھ ترقی کی تھی ، یا نہیں ۔

یہ تو ضروری بات ہے کہ آدمی کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ وہ بڑے بڑے مردوں اور بڑی بڑی عورتوں کی زندگی کے حالات پڑھے ، اور اُن سے سبق حاصل کرے ، لیکن ہم کو یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ مختلف قسم کے لوگوں کی پُرانے زمانے میں کیا حالت تھی ۔

میں نے تمھیں بہت سے خط لکھے ۔ یہ چوبیسواں خط ہے ۔ لیکن اب تک ہم اتنے پُرانے زمانے کا ذکر کرتے چلے آرہے ہیں ، جس کا بہت ٹھیک حال معلوم نہیں ہے ۔ اس کو تو تاریخ

کہنا مشکل ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو "تاریخ کا شروع ہونا" کہہ سکتے ہیں؛ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ "یہ اُس زمانے کی باتیں ہیں کہ جب تاریخ کا سورج نکلا ہی نکلا تھا"۔ اب ہم جلد ہی اُس بعد کے زمانے پر غور کریں گے، جس کا حال ہمیں کچھ زیادہ معلوم ہے، اور جس کو ہم "تاریخ کا زمانہ" کہتے ہیں۔ لیکن پُرانی تہذیبوں کا ذکر چھوڑنے سے پہلے، آؤ! ذرا اس پر پھر ایک نظر ڈال لیں کہ اُن دنوں کے لوگ کیسے تھے ۔

ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شروع شروع کے قبیلوں نے کس طرح مختلف کام کرنے شروع کیے تھے۔ کام، یا محنت، کی تقسیم ہو چکی تھی۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ قبیلے کے سردار، یعنی شیخ نے اپنے کنبے کو اوروں سے کس طرح الگ کر لیا، اور صرف انتظام ہی کا کام اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ ذرا اونچے درجے کا آدمی بن گیا؛ یا یہ کہنا چاہیے کہ اُس کا کنبہ دوسرے کنبوں سے کچھ الگ سا ہو گیا۔ یوں دو قسم کے آدمی ہو گئے۔ ایک تو وہ جو انتظام کرتے اور حکم چلاتے تھے، اور دوسرے وہ جو سچ مچ کام کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ کہ

انتظام کرتے تھے اُن کو بہت اختیارات حاصل تھے؛ اور ان کی وجہ سے جس چیز پر اُن کا ہاتھ پڑا اُس پر قبضہ کرتے چلے گئے۔ وہ زیادہ مال دار بھی ہوتے گئے؛ کیوں کہ اُنھوں نے کام کرنے والے آدمیوں سے بہت کچھ چھین لیا۔

مدّتوں کام کی تقسیم ہوتی، اور کئی درجے بنتے چلے گئے ایک تو بادشاہ اور اُس کا کنبہ بنا، اور دوسرا اُس کے درباری آدمی۔ یہ ملک کے انتظام کا کام کرتے تھے اور ملک ہی کے واسطے لڑتے تھے۔ عام طور پر وہ کوئی اور کام نہیں کرتے تھے:

دوسرے مندروں کے پروہت اور پجاری، اور مندروں کے نوکر تھے۔ اُس زمانے میں ان لوگوں کی بڑی قدر تھی۔ ہم اُن کے کاموں کا پھر ذکر کریں گے۔

تیسرے سوداگر تھے۔ یہ لوگ بیوپار کرتے تھے، مال کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جاتے تھے؛ مال کو خریدتے اور بیچتے تھے؛ اور دوکانیں کھولتے تھے۔

چوتھے کاری گر تھے۔ یہ لوگ ہر قسم کی چیزیں بناتے تھے؛ روئی کاتتے اور کپڑا بُنتے تھے؛ مٹی کے برتن بناتے تھے؛

پیتل کی چیزیں بناتے تھے، سونے اور ہاتھی دانت کا کام کرتے تھے، اور بہت سی اور چیزیں بنانے تھے۔

یہ لوگ بہت زیادہ تعداد میں شہروں میں رہتے تھے، یا شہروں کے پاس۔ بہت سے گاؤں میں بھی رہتے تھے۔

سب سے آخر میں، پانچویں درجے پر کسان اور مزدور تھے، جو کھیتوں اور شہروں میں کام کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان کے علاوہ اور درجے کے جو لوگ تھے، وہ جو کچھ ہو سکتا تھا ان ہی کسان اور مزدوروں سے چھین جھپٹ لیتے تھے۔

(۲۵)

بادشاہ، مندر اور پجاری

تم کو میرے پچھلے خط سے معلوم ہوا ہوگا کہ آدمیوں کے پانچ درجے بن گئے تھے۔ سب سے بڑی تعداد کسانوں اور مزدوروں کی تھی۔ کسان زمین کو جوتتے بوتے اور اناج پیدا کرتے تھے۔ اگر کسان نہ جوتتے بوتے، اور کوئی زمین کا کام نہ کرتا، تو اناج ہی پیدا نہ ہوتا، یا بہت ہی کم اناج پیدا ہوتا۔ اس لیے کسان بہت ضروری تھے۔ ان کے بغیر سارے آدمی فاقے مر جاتے۔ مزدور بھی زمینوں اور شہروں میں بہت فائدہ مند کام کرتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اتنا ضروری کام بھی کرتے تھے، اور ہر شخص کو ان کی ضرورت بھی رہتی تھی، مگر پھر بھی ان ہی لوگوں کو اپنی محنت مزدوری کا سب سے کم حصہ ملتا تھا۔ جو کچھ وہ پیدا کرتے

تھے، اُس کا بڑا حصّہ دوسروں کے پاس چلا جاتا تھا۔ خاص کر بادشاہ اور اُس کے درجے والے لوگوں اور اُس کے بڑے درباریوں کے پاس ؂

یہ تو تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ بادشاہوں کے بڑے اختیارات تھے اور اُن کی طاقت زیادہ تھی۔ جب قبیلے بنے ہی بنے ہیں تو زمین سارے قبیلے کی ہوتی تھی، کسی ایک آدمی کی نہیں ہوتی تھی۔ مگر جیسے جیسے بادشاہ کے درجے کے لوگوں کے اختیار اور طاقت زیادہ بڑھی، تو اُنھوں نے کہا کہ ساری زمین کے ہم ہی مالک ہیں۔ اس طرح وہ تو زمین دار ہو گئے، اور کسان، جو زمین کا سارا کام بڑی محنت سے کرتے تھے، ایک طرح اُن کے نوکر بن کر رہ گئے۔ کسان جو کچھ زمین سے پیدا کرتے تھے، وہ سب تقسیم ہو جاتا تھا، اور بڑا حصّہ زمین دار کو ملتا تھا ؂

بعض مندروں کے پاس بھی زمین ہوتی تھی۔ یوں مندر بھی ایک طرح کے زمین دار تھے ؂

آؤ! یہ دیکھیں کہ مندر، اور اُن کے پروہت، پُجاری تھے کیا؟ میں نے اپنے ایک خط میں تمھیں یہ بتلایا تھا کہ شروع شروع

کے حبشی اور جنگلی آدمیوں نے جب مذہب اور دیوتاؤں کی بابت سوچنا شروع کیا تو بہت سی چیزیں اور باتیں اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آئیں۔ جس چیز کو وہ نہیں سمجھے اُسی سے ڈرنے لگے۔ اُنھوں نے ہر چیز کو دیوتا اور دیوی بنالیا؛ جیسے کوئی دریا، یا پہاڑ، یا سورج، یا درخت، یا کوئی جانور، یا کوئی اور چیز۔ جو بات دکھائی نہیں دیتی تھی اُس کو وہ یوں ہی خیال میں ایک چیز جا لیتے تھے؛ جیسے بھوت، پریت؛ چوں کہ وہ ڈرتے بہت تھے، اس لیے ہمیشہ یہ سوچتے تھے کہ اُن کے دیوتا اُنھیں سزا دینا چاہتے ہیں۔ اُن کے دیوتا، اُن ہی کی طرح بڑے سخت اور بے رحم تھے، اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اُن کو خفا نہ ہونے دیں، یا اُن پر کوئی چیز بھینٹ چڑھاکر اُن کو خوش رکھیں:

ان ہی دیوتاؤں کے لیے مندر بننے لگے۔ مندر کے اندر ایک خاص کمرہ رکھا جاتا تھا، جو "منڈپ" (یا مُتقدّس جگہ) کہلاتی تھی۔ اسی کمرے میں اُس دیوتا کا بُت رکھّا رہتا تھا، جس کو وہ پُوجتے تھے؛ کیوں کہ جو چیز اُن کو دکھلائی نہیں دیتی تھی وہ اُس کو پُوج بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ تھی بھی ذرا مشکل بات کہ بغیر

دیکھی چیز کو پُوجیں ۔ تم جانتی ہو کہ ایک چھوٹا سا بچّہ اُسی چیز کا دل میں خیال کر سکتا ہے جس کو وہ دیکھتا ہے ۔ شروع زمانے کے لوگ بھی بچّوں ہی جیسے تھے ۔ وہ بغیر بُتوں کے کسی کی پُوجا بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے وہ اپنے مندروں میں اُس خیالی چیز کا بُت رکھتے تھے ۔ یہ بات عجیب سی ہے کہ یہ بُت عام طور پر ایسے بدصورت ہوتے تھے کہ اُن سے ڈر معلوم ہو ۔ جیسے جانور، یا کوئی ایسی چیز، جو آدھی جانور ہو اور آدھی آدمی ۔ ایک زمانہ تھا کہ مصر میں بلّی کی پُوجا ہوتی تھی ؛ ایک اور زمانے میں شاید بندر کی بھی ۔ یہ بات سمجھنی بہت مشکل ہے کہ لوگ جانوروں کے خوفناک بُتوں کو کیوں پُوجتے تھے ۔ اگر بُتوں ہی کو پُوجنا تھا تو وہ اُن کو خوبصورت کیوں نہیں بناتے تھے ؟ مگر شاید خیال یہ تھا کہ دیوتا کوئی ڈراؤنی چیز ہیں ؛ اس لیے وہ اُن کے ایسے ڈراؤنے بُت بناتے تھے ۔

اُس وقت شاید لوگوں کو ایک ہی خدا، یا ایک ہی بہت بڑی طاقت کا خیال نہیں آیا تھا ؛ جیسا کہ آج کل بہت زیادہ لوگ سمجھتے ہیں ۔ اُنھوں نے خیال کیا ہوگا کہ بہت سے دیوتا اور

دیویاں ہیں، اور وہ بعض وقت آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ مختلف شہروں اور مختلف ملکوں میں الگ الگ دیوتا پوجے جاتے تھے۔

پروہت اور پروہتنیوں سے مندر بھرے رہتے تھے۔ عام طور پر یہ پروہت، پوجاری ہی پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے؛ دوسرے آدمیوں سے تو ضرور ہی زیادہ پڑھے لکھے ہوتے تھے۔ اس لیے بادشاہ اُن سے مشورے لینے لگے۔ اُن دنوں یہی پروہت پوجاری کتابیں لکھنے، یا نقل کرنے لگے۔ چوں کہ یہ کچھ علم بھی جانتے تھے، اس لیے وہ اُس زمانے میں بڑے مقدّس سمجھے جاتے تھے۔ وہ دوا، علاج بھی کیا کرتے تھے۔ یہ دکھلانے کے لیے کہ وہ کتنے بڑے ہوشیار ہیں اور لوگوں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے وہ اکثر کچھ ہتھکنڈے بھی دکھلایا کرتے تھے۔ لوگ بالکل سیدھے اور اَن پڑھ تو ہوتے ہی تھے، وہ اُن پروہتوں پوجاریوں کو جادوگر سمجھتے تھے اور اُن سے ڈرا کرتے تھے۔

پروہت کام کاج میں ہر طرح کے آدمیوں سے ملے جُلے رہتے تھے۔ وہ عقل مند تو سمجھے ہی جاتے تھے، اس لیے جب آدمی کسی تکلیف میں پھنستے، یا بیمار ہوتے، تو اُن ہی کے پاس جایا کرتے تھے۔

لوگوں کے واسطے وُہی بڑے بڑے تہوار قائم کرتے تھے۔ اُس زمانے میں جنتریاں نہیں ہوتی تھیں، خاص کر عام آدمیوں کے لیے، اس لیے تہواروں کا حساب بھی وہی لگا کر بتلاتے تھے:

پروہت اکثر لوگوں کو پھسلاتے اور دھوکے دیا کرتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ اُن کی مدد بھی کرتے تھے اور کئی طریقوں سے اُنھیں ترقی کرنے کے راستوں پر بھی ڈال دیتے تھے:

ہوسکتا ہے کہ بعض جگہ جب لوگ بسے ہی بسے ہیں، تو یہ پروہت ہی اُن کے بادشاہ رہے ہوں۔ بعد کے زمانے میں بادشاہوں نے آکر پروہتوں کو نکال باہر کیا ہو، کیوں کہ بادشاہ زیادہ اچھی طرح لڑنے والے تھے۔ بعض جگہ ایک ہی آدمی بادشاہ بھی ہوتا تھا اور پروہت بھی، جیسے مصر کے فرعون تھے کہ وہ اپنی زندگی میں آدھے سے زیادہ دیوتا سمجھے جاتے تھے، اور جب مرجاتے تھے تو ان کو دیوتاؤں کی طرح پوجا جاتا تھا:

(۵۶)

پچھلی باتوں پر ایک نظر

تم میرے خطوں سے تھک تو نہیں گئیں ؟ میں جانتا ہوں کہ تم کو کچھ سُننانے کی ضرورت ہے۔ اچھا اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اس وقت تو تم یہ سوچو کہ ہم کیا کچھ کر چکے ہیں۔ میں تمھیں بہت دنوں تک کوئی نئی بات نہیں لکھوں گا۔ میں نے تھوڑے سے خطوں میں کئی لاکھ برس کے عرصے پر نظر ڈال لی ہے۔ ہم نے اُس وقت سے شروع کیا تھا جب زمین، سُورج کا ایک ٹکڑا تھی۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ وہ سُورج سے الگ ہو کر کس طرح آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔ پھر زمین سے کُود کر چاند کس طرح الگ ہو گیا۔ مدّتوں تک زمین پر کوئی جان دار نہ تھا۔ پھر لاکھوں، کروروں برس کے بعد آہستہ آہستہ جان دار پیدا ہونے شروع ہوئے۔ تم کچھ قیاس بھی کرسکتی ہو

کہ لاکھوں، کروڑوں، برس کا عرصہ کتنا ہوتا ہے؟ لاکھوں برس کے عرصے کا اندازہ کرنا بہت ہی سخت مشکل بات ہے۔ تم ابھی دس ہی برس کی ہو، اتنے ہی دنوں میں کتنی بڑی ہو گئی ہو! اب تم ذرا سی بچی نہیں رہی ہو! خاصی اچھی چھوٹی سی "لیڈی" ہو گئی ہو! تمھارے لیے تو سو برس بھی بہت ہوتے ہیں۔ پھر کہاں ہزار برس! اور دسیوں لاکھ برس کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں! ذرا سوچو تو سہی، دس لاکھ برس کتنے ہوئے؟ ہزار گنے ہزار برس! اُف! ہمارا چھوٹا سا سر بھلا اس کا کیا اندازہ کر سکے گا! اس پر بھی ہم اپنے آپ کو بہت ہی بڑا سمجھتے ہیں! مزہ یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں تو ہم کو گھبرا اور پریشان کر دیتی ہیں۔ لیکن دنیا میں جو چھوٹی چھوٹی باتیں ہو گزری ہیں، وہ دنیا کی اتنی لمبی چوڑی تاریخ کے مقابلے میں کیا چیز ہیں؟ مگر دنیا کے اس لمبے چوڑے عرصے کی باتیں پڑھنے اور سوچنے سے ہمیں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں اور باتوں سے کچھ بہت نہیں گھبرا اٹھتے۔

ہم کو ذرا اس بے حد لمبے زمانے کا خیال کرنا چاہیے، جب

دُنیا میں کوئی کسی طرح کا جان دار تھا ہی نہیں پھر اُس بہت ہی پُرانے زمانے کو یاد کرو، جب صرف سمندر ہی میں جان دار پیدا ہوئے۔ زمین کے پردے پر کہیں بھی آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر وہ زمانہ آتا ہے کہ جانور پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں برس تک اس پر بے فکر گھومتے رہتے ہیں! کہیں کوئی بھی آدمی ایسا نہیں ملتا، جو اُن کا شکار کرے، یا اُن کو مار ڈالے۔ اور پھر وہ وقت یاد کرو جب آدمی پیدا ہوتا ہے تو وہ کیسی چھوٹی سی حقیر چیز ہوتا ہے! سارے جانوروں میں سب سے زیادہ کم زور! ہزاروں برس کے عرصے میں، آہستہ آہستہ، وہ زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے، اور زیادہ عقل پکڑتا ہے؛ یہاں تک کہ زمین کے سارے جانوروں کا آقا اور مالک ہو جاتا ہے۔ تمام جانور اُس کے ایسے نوکر اور غلام ہو جاتے ہیں کہ آدمی جو کچھ چاہتا ہے اُن سے کام لیتا ہے؛

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے کہ تہذیب بڑھتی ہے۔ ہم اُس کی شروع کی حالت دیکھ ہی چکے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ پھر اُس تہذیب کی کیا حالت ہوئی۔

اب ہم کو لاکھوں برس کا زمانہ طے نہیں کرنا ہے۔ میں اپنے پچھلے خطوں میں اُس زمانے تک پہنچ گیا ہوں، جو اب سے صرف چار، یا پانچ، ہزار برس پیشتر کا ہے۔ ہم کو پچھلے لاکھوں برس کے مقابلے میں ان چار، یا پانچ، ہزار برس کا حال زیادہ معلوم ہے۔ تاریخ اور انسانوں کی ترقی در اصل ان ہی چار، پانچ ہزار برس میں ہوئی ہے۔ جب تم بڑی ہو جاؤ گی، تو اس تاریخ کے زمانے کا بہت کچھ حال معلوم کر لو گی۔ میں بہت تھوڑا سا حال بیان کروں گا، کہ تم کو اس کا صرف ذرا سا اندازہ ہو جائے کہ ہماری اس چھوٹی سی دنیا میں انسانوں پر کیا کیا گذری ۔

(۴۷)

پتّھر ہو جانے والی مچھلیوں کی تصویریں

میں تم کو کچھ تصویری پوسٹ کارڈ بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم میرے لمبے اور روکھے، پھیکے خطوں سے ان کو زیادہ پسند کروگی! ان کارڈوں پر اُن مچھلیوں کی تصویریں ہیں، جو پتّھر کی ہوگئی ہیں۔ یہ لندن کے عجائب خانے میں رکھی ہیں۔ یہ پتّھر بنی ہوئی مچھلیاں تم نے وہاں دیکھی ہوں گی۔ بہر حال، ان تصویروں سے تمھیں یہ معلوم ہوگا کہ پرانے زمانے کی مچھلیوں کی ہڈیاں کیسی تھیں ۔

جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں، یہ پرانے زمانے کے جانوروں اور پودوں کے خول ہیں، جو ہم کو چٹانوں اور اور جگہوں میں ملے ہیں۔ جانوروں کے بدن کے نرم حصّے تو باقی نہیں رہے

مگر سخت اور ہڈی والے حصّے، بہت عرصے تک کے لیے، باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے بہت زیادہ جانوروں پر سمندر کی تہ میں نرم مٹی آ گئی، اس طرح وہ حفاظت سے رہ گئے۔ نرم مٹی، ہوتے ہوتے، سخت ہو گئی، اور سمندر کی سطح اُبھر کر خشک زمین ہو گئی۔ وہاں سے یہ پتھّر بنی ہوئی چیزیں نکلی ہیں، اور ہم کو خشک حالت میں ملی ہیں:

یہ ان ہی پتھّر بنی ہوئی چیزوں کی تصویریں ہیں، جو چٹانوں میں سکتیں۔ یہ تصویریں بہت صاف نہیں ہیں۔ وہ تو صرف خول ہی ہیں، یعنی اصل پتھّر بنے ہوئے جانوروں کے صرف خاکے:

ایک خاکے میں تو مچھلی کے صرف دانت ہی دانت نظر آتے ہیں:

میرا یہ خیال ہے کہ سب سے زیادہ مزے دار تصویریں وہ ہیں جن پر ۲۴ اور ۲۷ نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ صاف صاف دکھلاتی ہیں کہ مچھلیوں نے اپنے نشان چٹانوں پر کیسے چھوڑے ہیں۔ ان ہی نشانوں سے اب لاکھوں برس

سے بعد ہم یہ بتلا سکتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہ مچھلیاں موجود تھیں ⁂

ان تصویری پوسٹ کارڈوں کو اُن کاغذوں کے ساتھ، جن پہ اُن کا حال لکھا ہوا ہے، لفافوں میں، احتیاط کے ساتھ رکھنا، تاکہ وہ اور کاغذوں میں نہ مِل جُل جائیں ⁂

(۲۸)

پتھر بنی ہوئی چیزیں اور کھنڈر

میں نے تمھیں بہت دنوں سے خط نہیں لکھا۔ پچھلے دو خطوں میں ہم اُس پُرانے زمانے پر نظر دوڑا رہے تھے، جس کا حال میں اپنے پہلے خطوں میں لکھ چکا تھا۔ میں نے تمھیں کچھ پوسٹ کارڈ بھیجے تھے، جن میں پتھر بنی ہوئی مچھلیوں کی تصویریں تھیں؛ تاکہ تم معلوم کر سکو کہ یہ متحجّر چیزیں کیسی ہوتی ہیں۔ جب ہم دونوں مسوری میں ملے تھے، تو میں نے پتھر بنی ہوئی چیزوں کی تصویریں دکھلائی تھیں۔

تمھیں خاص کر رینگنے والے جانوروں کی تصویریں یاد ہوں گی، جو پتھر بنے ہوئے تھے۔ عام طور پر رینگنے والے جانور وہ کہلاتے ہیں جو پیٹ کے بَل چلتے ہیں، جیسے آج کل سانپ،

چھپکلی، مگرمچھ، کچھوے وغیرہ چلتے ہیں۔ پرانے زمانے میں رینگنے والے جانور اُسی قسم کے تھے جیسے آج کل ہے؛ لیکن ان سے مختلف ہوتے تھے، اور بہت بڑے تمہیں وہ دیووں جیسے بڑے خوف ناک جانور یاد ہوں گے جو ہم نے لنڈن کے عجائب خانے میں دیکھے تھے۔ اُن میں سے ایک تو تیس یا چالیس فیٹ لمبا تھا۔ وہیں ایک قسم کا مینڈک تھا، جو آدمی سے بھی بڑا تھا۔ ایک کچھوا تھا، جو اُتنا ہی بڑا تھا۔ بہت ہی بڑی بڑی چمگادڑیں تھیں، جو اُڑتی پھرا کرتی ہوں گی۔ ایک اور جانور تھا، جو "اِگوانڈون" کہلاتا تھا؛ مگر اب دنیا بھر میں کہیں نہیں رہا۔ جب یہ کھڑا ہوتا تھا تو اُس کے پاؤں اتنے بڑے ہوتے تھے جیسے چھوٹا سا درخت۔

تم نے متحجر پودے بھی دیکھے تھے۔ پٹانوں کے پتھروں پر بیلوں، پتوں اور تاڑ کے درختوں کے خوب صورت تصویریں بھی ہیں دیکھی تھیں۔

رینگنے والے جانوروں کے پیدا ہونے کے بہت زمانے کے بعد وہ جانور پیدا ہوئے، جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔

اکثر جانور جو ہم اپنے اِرد گرد دیکھتے ہیں، بلکہ خود ہم انسان بھی، دودھ ہی پلانے والے جانور ہیں۔ پرانے اور آج کل کے دودھ پلانے والے جانوروں میں کچھ زیادہ فرق نہیں، ہاں وہ بڑے قد کے ضرور ہوتے تھے، ایسے بڑے بھی نہیں جیسے رینگنے والے جانور۔ بڑے بڑے دانتوں والے ہاتھی ہوتے تھے اور بہت بڑے قد کے بھالو بھی ::

تم نے آدمیوں کے متحجّر خول بھی دیکھے تھے۔ وہ کچھ زیادہ دلچسپ نہیں تھے۔ کیوں کہ عام طور پر اُن میں ہڈیاں تھیں یا کھوپڑیاں۔ ان سے زیادہ مزے دار تو وہ پتھّر کے اوزار اور ہتھیار تھے، جن کو شروع زمانے کے لوگوں نے بنایا تھا ::

میں نے تمھیں مصر کے مقبروں اور مومیاءیوں کی بڑی اچھی تصویریں بھی دکھلاءی تھیں۔ تمھیں یاد ہوگا کہ ان میں سے کچھ بڑی خوب صورت تھیں۔ لکڑی کے تابوتوں کے صندوقوں پر وہاں کے لوگوں کے بلیے چوڑے قصّے لکھے ہوءے تھے۔ مصر کے پرانے شہر 'تھیبس' کے مقبروں کی دیواروں پر جو تصویریں ہیں وہ اور بھی مزے دار ہیں ::

تھیبس ہی میں محلوں اور مندروں کے کھنڈروں کی تصویریں بھی تو تم نے دیکھی تھیں۔ یہ بہت ہی بڑی عمارتیں تھیں اور اُن کے بڑے بڑے ستون تھے۔ تھیبس ہی کے پاس میمون کا بہت ہی بڑا بت تھا۔

بالائی مصر کے شہر کارنک کے مندروں اور عمارتوں کے کھنڈروں کی تصویریں بھی تم نے دیکھی تھیں۔ ان کھنڈروں ہی سے تم خیال کرسکتی ہو کہ مصر والے کتنے بڑے اور اچھے راج معمار تھے اگر وہ انجینئری اور معماری نہ جانتے ہوتے تو وہ اتنے بڑے مندر اور محل کیسے بنا سکتے تھے؟

اب ہم پچھلے زمانے پر نظر دوڑا چکے۔ اب اگلے خط سے میں اور آگے بڑھوں گا۔

آریوں کا ہندوستان میں آنا

اب تک ہم بہت، بہت ہی، پرانے زمانے کا ذکر کرتے آرہے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ آدمی نے کیسے ترقی کی اور اس نے کیا کیا کیا۔ یہ پرانا زمانہ "زمانۂ قبل از تاریخ" کہلاتا ہے؛ یعنی تاریخ سے پہلے کا زمانہ؛ کیوں کہ اس زمانے کی کوئی تاریخ تو ہے ہی نہیں۔ اس زمانے کے حالات بیان کرنے میں ہم کو بہت کچھ قیاس سے کام لینا پڑا ہے۔ اب ہم تاریخ کے کنارے کے پاس تک پہنچ گئے ہیں ؛؛

آؤ اب یہ دیکھیں کہ ہندوستان میں پہلے کیا ہوا۔ ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بہت پرانے زمانے میں، مصر کی طرح، ہندوستان میں بھی تہذیب تھی۔ یہاں تجارت ہوتی تھی، اور ہندوستان کا مال لےکر

یہاں سے جہاز، مصر اور عراق عرب اور دوسروں ملکوں میں جاتے تھے۔ اُن دنوں جو آدمی ہندوستان میں رہتے تھے وہ "دراوڑ" کہلاتے تھے۔ ان ہی لوگوں کی اولاد، دکھن میں اور مدراس کے اِرد گِرد، بستی ہے۔

ان دراوڑوں پر آریوں نے شمال کی طرف سے حملہ کیا۔ اُس زمانے میں آریا لوگ بہت ہی بڑی تعداد میں وسط ایشیا میں رہتے ہوں گے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ سارے آدمیوں کے کھانے کو پُورا پُورا نہیں ملتا تو وہ سب اور ملکوں میں پھیل گئے۔ اُن کی بڑی تعداد ایران، بلکہ یونان اور اُس سے بھی آگے، مغرب کی طرف، چلی گئی۔ اُن کی ایک بھیڑ کی بھیڑ کشمیر کے قریب کے پہاڑوں سے گزرتی ہوئی ہندوستان میں بھی پہنچی۔

آریا لوگ مضبوط اور لڑاکا تھے۔ اُنھوں نے دراوڑوں کو مار بھگایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال مغرب کی طرف سے دَل کے دَل آریوں کے ہندوستان میں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو دراوڑوں نے اُن کا مقابلہ کرکے اُن کو روکا؛ لیکن جب وہ اور زیادہ تعداد میں پہنچنے لگے تو وہ نہ روک سکے۔ مدتوں

تک تو آریا شمال ہی میں رہے، یعنی افغانستان اور پنجاب میں ۔ پھر وہ اور آگے بڑھے، اور وہاں پہنچے جو آج کل یو پی (صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ) کہلاتا ہے۔ اسی صوبے میں ہم رہتے ہیں ۔ وہ پھیلتے ہی چلے گئے، یہاں تک کہ بندھیاچل کے پہاڑ تک پہنچے، جو صوبۂ متوسط میں ہے ۔ بندھیاچل کے پہاڑوں سے گزرنا مشکل تھا، کیوں کہ وہاں گھنے جنگل تھے ۔ اس لیے آریوں کو کچھ عرصے کے لیے بندھیاچل کے شمال ہی میں رُکے رہنا پڑا ۔ مگر بہت سے آریا کسی نہ کسی طرح بندھیاچل سے گذر کر دکھن میں بھی جا پہنچے، لیکن اُن کے دَل کے دَل، بڑی تعدادمیں، نہ جا سکے۔ اس لیے دکھن کا ملک زیادہ تر دراوڑوں ہی کے ہاتھ میں رہا ۔

آریوں کے ہندوستان میں آنے کے متعلق غور کرنا بڑی مزے دار بات ہے ۔ اس کا بہت کچھ حال تم کو ہماری سنسکرت کی کتابوں میں ملے گا ۔ ان میں سے تھوڑی سی کتابیں، جیسے وید ہیں، اسی زمانے کے قریب لکھی گئی ہوں گی ۔ سب سے پرانا وید رِگ وید ہے ۔ اس کو پڑھ کر تم کچھ اندازہ کر سکوگی کہ ہندوستان کے

جس حصّے پر آریوں نے قبضہ کیا تھا، وہ کیسا تھا۔ ویدوں اور اور پُرانی سنسکرت کی کتابوں سے، جیسے پُران ہیں، تم کو یہ معلوم ہوگا کہ آریا لوگ پھیلتے ہی چلے گئے۔ شاید تمھیں ان پُرانی کتابوں کا بہت حال معلوم نہیں ہے۔ جب تم بڑی ہوگی تو تمھیں بہت کچھ معلوم ہو جاۓ گا۔ لیکن پھر بھی اُن بہت سی کہانیوں کو تو جانتی ہو، جو پُرانوں سے نکلی ہیں۔ اُس کی بہت مُدّت کے بعد رامائن جیسی کتاب لکھی گئی، اور پھر مہابھارت۔

ان کتابوں سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آریا صرف پنجاب اور افغانستان ہی میں رہتے تھے، تو وہ ہندوستان کے اُس حصّے کو "برہما ورت" کہتے تھے۔ اُن دنوں افغانستان کو "گاندھارا" کہتے تھے۔ کیا تمھیں یاد نہیں ہے کہ مہابھارت میں ایک عورت کا نام گندھاری آتا ہے؟ اُس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ وہ گاندھارا، یا افغانستان، کی تھی۔ اس زمانے میں تو افغانستان ایک الگ مُلک ہے، مگر اُن دنوں افغانستان اور ہندوستان دونوں ایک ہی مُلک تھا۔

جب آریا لوگ گنگا اور جمنا کے بیچ کے میدانوں میں

پہنچے تو اُنھوں نے سارے شمالی ہندوستان کا نام "آریہ ورت" رکھ دیا ؛

پُرانے زمانے کے اور لوگوں کی طرح وہ اُن شہروں میں بسے، جو دریاؤں کے کنارے تھے۔ کاشی، یا بنارس اور پریاگ، یا الہ آباد، اور بہت سے اور شہر دریاؤں ہی کے کنارے بسے ہوئے ہیں ؛

(۳۰)

ہندوستان کے آریا کیسے تھے

آریا لوگ ہندوستان میں اب سے پانچ، یا چھ ہزار برس، بلکہ شاید اس سے بھی پہلے، آئے ہوں گے۔ اس میں تو شک نہیں کہ وہ سب کے سب ایک ساتھ ہی تو نہیں آگئے ہوں گے۔ اُن کے ایک دل کے بعد دوسرا، ایک قبیلے کے بعد دوسرا اور ایک کُنبے کے بعد دوسرا، سیکڑوں برس تک آتا رہا ہوگا۔ ذرا خیال تو کرو کہ اُن کا ہر ایک لمبا قافلہ اس طرح آیا ہوگا کہ اُن کے گھر بار کا سارا سامان گاڑیوں، یا جانوروں، پر لدا چلا آرہا ہے! وہ اس طرح تھوڑا ہی آئے ہوں گے، جیسے آج کل کے سیّاح آتے ہیں کہ ہندوستان کی سیر کی اور اپنے گھر بھاگ گئے۔ وہ یہاں رہنے سہنے، یا لڑنے اور مرنے کے واسطے آئے تھے

جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں، وہ ہندوستان کے شمال مغرب کے پہاڑوں پر سے گزر کر آئے تھے۔ لیکن شاید کچھ لوگ خلیج فارس ہوتے ہوئے، سمندر ہی سمندر، اپنے چھوٹے چھوٹے جہازوں کو لیے ہوئے، دریاۓ سندھ میں داخل ہوئے ہوں گے۔

یہ آریہ کیسے تھے؟ ہم اُن کا بہت کچھ حال اُن کتابوں سے جان سکتے ہیں، جو اُنھوں نے لکھی تھیں۔ ان میں سے چند کتابیں، جیسے ویدہیں، شاید دنیا میں سب سے پُرانی کتابیں ہیں۔ غالباً شروع شروع میں وہ لکھی نہیں گئی تھیں؛ بلکہ اُن کو لوگ زُبانی یاد کر لیتے تھے، اور دوسروں کو سُناتے تھے، یا دوسروں کے سامنے گاتے تھے۔ اُن کی سنسکرت کی زبان اتنی پیاری ہے کہ تم اُن کو گا بھی سکتی ہو۔ اگر کوئی آدمی سنسکرت جانتا ہو، اور اُس کی آواز بھی اچھی ہو، تو ویدوں کو سننے سے جی خوش ہوتا ہے۔ ویدوں کو ہندو بڑی مُقدّس کتاب سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ تو سمجھو کہ "وید" کے کیا معنی ہیں؟ "وید" کے معنی ہیں علم۔ ویدوں میں وہ علم ہے جس کو اُس زمانے کے عقل مند آدمیوں نے، جو رِشی اور مُنی کہلاتے ہیں، حاصل کیا تھا۔ بے شک اُن

دنوں ریل، تار اور سینما تو نہیں تھے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ لوگ جاہل، اَن پڑھ تھے۔ بعض آدمی تو یہ خیال کرتے ہیں کہ اُس زمانے کے آدمی، آج کل کے آدمیوں سے زیادہ عقل مند تھے۔ وہ زیادہ عقل مند ہوں یا نہ ہوں، مگر اُنھوں نے ایسی عجیب و غریب کتابیں لکھی ہیں، جو پڑھنے والے کو حیران کردیتی ہیں۔ یہی بات اس کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ پُرانے زمانے کے لوگ کتنے بڑے آدمی تھے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، پہلے وید لکھے نہیں گئے تھے؛ اُن کو زبانی یاد کرلیا جاتا تھا؛ اور ایک پُشت کے لوگ دوسری پُشت والے کو زبانی ہی پہنچا دیتے تھے۔ اُن دنوں میں اُن لوگوں کا حافظہ (یاد رکھنے کی قُوّت) بہت ہی اچھا ہوگا۔ ہم میں سے کتنے آدمی ایسے ہیں جو ایک پُوری کتاب کو زبانی یاد کرلیں۔

جس زمانے میں وید لکھے گئے تھے وہ "ویدوں کا زمانہ" کہلاتا ہے۔ پہلا وید، رگ وید ہے۔ اس میں بھجن اور گیت ہی گیت ہیں، جن کو پُرانے آریا گایا کرتے تھے۔ وہ لوگ بڑے خوش مزاج ہوں گے، روکھے پھیکے اور اُداس سے تو نہ ہوتے

ہوں گے، بلکہ خوش رہتے ہوں گے؛ اور ساتھ ہی ہمت والے بھی ہوتے ہوں گے۔ جب خوش ہوتے ہوں گے تو پیارے پیارے گیت بناتے اور اُن دیوتاؤں کے سامنے گاتے ہوں گے، جن کو وہ پوجتے تھے۔

اُنھیں خود اپنے اوپر اور اپنی قوم پر بڑا غرور تھا۔ لفظ "آریا" کے معنی ہی شریف آدمی، یا اُونچے درجے والے کے ہیں۔ وہ آزادی کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ اپنی اُس اولاد کی طرح نہ تھے، جو آج کل ہندوستان میں بس رہی ہے، کہ اُن میں نہ کسی طرح کی ہمت ہے نہ اپنی آزادی کے چھن جانے کا افسوس ہے۔ پرانے زمانے کے آریاؤں کے لیے تو بے عزتی اور غلامی موت سے بھی بُری تھی۔

آریا بڑے اچھے لڑنے والے تھے۔ وہ کچھ سائنس بھی جانتے تھے، کھیتی باڑی تو خوب جانتے تھے۔ وہ پیدائش ہی سے کھیتی باڑی کی بڑی قدر کرتے تھے، اور جو چیز کھیتی باڑی میں مدد دیتی تھی اُس کا ادب کرتے تھے۔ چوں کہ بڑے بڑے دریا اُنھیں پانی دیتے تھے، وہ اُن کا بھی ادب کرتے تھے، اور اُن کو اپنا بڑا دوست اور مربی جانتے تھے۔ بیل اور گائے دونوں، اُن کو کھیتی اور

روزانہ کاروبار میں بہت مدد دیتے تھے، چوں کہ گاءے انھیں دودھ دیتی تھی، اُس کی وہ بہت قدر کرتے تھے۔ اسی لیے وہ اِن جانوروں کی خاص طور پر خدمت کرتے تھے اور اُن کی تعریفیں کرتے تھے۔ مدّتوں کے بعد گاءے کی خدمت کا اصلی سبب تو لوگ بھول گئے اور اُس کو اس طرح پوجنے لگے کہ جیسے وہ کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

چوں کہ آریا اپنے آپ پر بہت مغرور تھے، اور اپنے آپ کو سب سے اچھا جانتے تھے، اس لیے وہ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں اُن کا خون ہندوستان کے اور رہنے والوں سے نہ مل جاءے۔ اسی لیے انھوں نے ایسے قاعدے قانون بناءے کہ وہ دوسروں سے نہ ملنے پاءیں۔ اسی سبب سے کوءی آریا دوسرے لوگوں میں شادی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے مدّتوں کے بعد اسی سے بڑھتے بڑھتے ذات پات بن گئی، جو آج کل ذات برادری کہلاتی ہے۔ اب تو یہ ایسی چیز بن گئی ہے کہ اس پر ہنسی آتی ہے۔ بعض آدمی تو دوسروں سے چھوءے جانے، اور دوسروں کے ساتھ کھانے پینے سے ڈرتے ہیں۔ خوش قسمتی سے اب یہ وہم روز بہ روز کم ہوتا جا رہا ہے۔

(۳۱)

راماین اور مہابھارت

ہندوستان میں وید کے زمانے، یعنی اُس زمانے کے بعد، جس میں وید لکھے گئے تھے "بہادری کا زمانہ" آیا۔ یہ اس لیے بہادری کا زمانہ کہلاتا ہے کہ اس میں دو بڑے واقعے پیش آئے، اور دو بڑی بڑی نظمیں لکھی گئیں، جن میں بڑے بڑے بہادروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ دو کتابیں راماین اور مہابھارت ہیں۔ ان دونوں کو تم جانتی ہی ہو۔

بہادری کے زمانے میں آریا لوگ سارے شمالی ہندوستان پر، بندھیا چل کے پہاڑوں تک پھیل چکے تھے۔ جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں، ملک کا یہ حصہ "آریا ورت" کہلاتا تھا۔ جو علاقہ کہ آج کل یو۔پی کہلاتا ہے وہ اُن دنوں "مدھیا دیش" یا "درمیانی ملک"

کہلاتا تھا ۔ بنگال کو ونگ دیش کہتے تھے ؂

ایک مزے دار بات بتلاتا ہوں، جس کو تم معلوم کر کے خوش ہوگی ۔ اگر تم ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالو اور یہ سوچو کہ ہمالیہ پہاڑ اور بندھیا چل پہاڑ کے درمیان میں آریاورت کہاں تھا، تو تم دیکھوگی کہ یہ علاقہ ہلال (آدھے چاند) کی صورت کا سا ہے ۔ اس لیے آریاورت "چاند کا علاقہ" کہلاتا ہے ۔ اندو[1] کے معنی چاند کے ہیں، آریاورت بھی "اندوستان" کہلاتا تھا ؂

آریا لوگوں کو ہلال کا بہت شوق تھا ۔ جو جگہیں ہلال کی شکل کی ہوتی تھیں، اُن کو وہ مقدّس سمجھتے تھے ۔ اُن کے بہت سے شہر ہلال ہی کی شکل کے تھے، جیسے بنارس ہے ۔ نہ معلوم تمھیں خبر ہے، یا نہیں، کہ الٰہ آباد میں گنگا بہتی ہوئی ہلال کی شکل بناتی ہے ؂

تم جانتی ہی ہو کہ راماین میں رام چندر اور سیتا، اور اُن کی راون سے لڑائی کا قصّہ ہے ۔ راون لنکا کا بادشاہ تھا۔ آج کل لنکا کو سیلون کہتے ہیں ۔ راماین کی کہانی کو شاعر نے

---

[1] اندرا کا پیار کا نام، جس سے وہ اب تک پکاری جاتی ہے "اندو" ہے ؂

سنسکرت میں لکھا تھا۔ بعد کو اور زبانوں میں بھی یہ کہانی لکھی گئی۔
سب سے اچھی رامائن "تلسی داس کی ہے۔ اس کو انھوں نے
ہندی میں لکھا تھا" اور اُس کا نام "رام چرِت مانس" رکھا تھا۔
رامائن میں لکھا ہے کہ دکھن میں بندروں نے رام چندر
کی مدد کی تھی، اور ہنومان لنگوروں کا بڑا بہادر سردار تھا۔ ممکن
ہے کہ رامائن میں جو کہانی بیان کی گئی ہے، وہ آریوں کی دکھن
کے رہنے والے لوگوں سے لڑائی کا قصہ ہو۔ راون دکھن والوں
کا سردار تھا۔ غالباً دکھنی لوگوں کو، جو کالے رنگ کے ہیں، لنگور
کہا گیا ہو۔
رامائن میں بڑی پیاری پیاری کہانیاں ہیں، مگر یہاں اُن
کے ذکر کرنے کا موقع نہیں ہے۔ بڑی ہو کر تم اُن کو خود ہی
پڑھ لینا۔
رامائن کے بہت دنوں کے بعد مہابھارت لکھی گئی۔ یہ رامائن
سے بھی بڑی کتاب ہے۔ اس میں آریوں اور دراوڑوں کی لڑائی
کا قصہ نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑی لڑائی کا ذکر ہے، جس
میں دونوں طرف آریا ہی تھے۔ لڑائی کو اگر چھوڑ بھی دو

تو ویسے بھی یہ عجیب و غریب کتاب ہے ۔ اس میں عجیب عجیب باتیں اور بڑی اچھی کہانیاں ہیں ۔ یہ کتاب ہمیں سب سے زیادہ اس لیے عزیز ہے کہ اسی میں وہ نظم ہے جس کو "بھگود گیتا" کہتے ہیں اور وہ جواہر سے بھی زیادہ قیمتی ہے ۔

یہ وہ کتابیں ہیں جو ہندوستان میں اب سے ہزاروں برس پہلے لکھی گئی تھیں ۔ ان کو سوائے بہت بڑے آدمی کے اور کون لکھ سکتا ہے ؟ اگرچہ وہ اتنی مدت پہلے لکھی گئی تھیں، مگر وہ آج بھی ہندوستان میں زندہ ہیں ۔ بچے اُن کو پڑھ کر خوش ہوتے ہیں اور بڑی عمر کے آدمی اُن سے نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔

ختم